ماہنامہ

موازنۂ مذاہب

ISSN: 20491131
ایڈیٹر: محفوظ الرحمان
نومبر 2025ء | نبوت 1404 ھجری شمسی | جمادی الاولیٰ 1447 ھجری قمری | جلد 14 نمبر 11

اس شمارہ میں

- سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم؛
  رسول کریم ﷺ کی بنی نوع انسان سے محبت
- اسلام کی تعلیم کا بنیادی کمال: ”اعتدال و حکمت کی تعلیم“
- آپ ﷺ نے انہیں خالص سونے کی ڈلی کی مانند بنا دیا
- تعارف کتاب حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام: ”پرانی تحریریں“
- بدھ مت از افاضات حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ
- ردّ دہریت: زمین پر زندگی کی ابتداء اور خدا کا ”ہاتھ“ (قسط سوم)

https://www.alislam.org/periodical/muwazna-e-madhahib

درود اور سلام

حضرت سید الرسل محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”درود اور سلام حضرت سید الرسل محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل واصحاب پر کہ جس سے خدا نے ایک عالم گم گشتہ کو سیدھی راہ پر چلایا۔ وہ مربّی اور نفع رسان کہ جو بھولی ہوئی خَلقت کو پھر راہ راست پر لایا۔ وہ محسن اور صاحب احسان کہ جس نے لوگوں کو شرک اور بتوں کی بلا سے چھوڑایا۔ وہ نور اور نور افشان کہ جس نے توحید کی روشنی کو دنیا میں پھیلایا۔ وہ حکیم اور معالج زمان کہ جس نے بگڑے ہوئے دلوں کا راستی پر قدم جمایا۔ وہ کریم اور کرامت نشان کہ جس نے مُردوں کو زندگی کا پانی پلایا۔ وہ رحیم اور مہربان کہ جس نے اُمّت کے لئے غم کھایا اور درد اٹھایا۔ وہ شجاع اور پہلوان جو ہم کو موت کے منہ سے نکال کر لایا۔ وہ حلیم اور بے نفس انسان کہ جس نے بندگی میں سر جھکایا اور اپنی ہستی کو خاک سے ملایا۔ وہ کامل موحّد اور بحر عرفان کہ جس کو صرف خدا کا جلال بھایا اور غیر کو اپنی نظر سے گرایا۔ وہ معجزۂ قدرت رحمٰن کہ جو اُمّی ہو کر سب پر علوم حقّانی میں غالب آیا اور ہر یک قوم کی غلطیوں اور خطاؤں کو ملزم ٹھہرایا۔“

(”براہین احمدیہ“ روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 17)

ماہنامہ موازنۂ مذاہب

جلد**14** شمارہ **11** نبوت **1404**ھجری شمسی، جمادی الاولیٰ **1447** ھجری قمری بمطابق **نومبر** 2025ء

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
1	اداریہ ؛ اک کرشمہ اپنی قدرت کا دکھا	2
2	ارشاد باری تعالیٰ : دوزخ سے بچانے والا وجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم	4
3	ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم: اللہ کا پیغام لے کر آنے والا وجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم	5
4	امام الکلام: آپ ﷺ نے انہیں خالص سونے کی ڈلی کی مانند بنادیا	7
5	کلام الامام؛حیات روحانی متابعت رسول کریم ﷺ سے ملتی ہے:امام جماعت احمدیہ عالمگیر حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز	9
6	صدائے امن وایمان؛دور حاضر میں امن عالم کی ضامن واحد آسمانی آواز : مرسلہ، جے۔ایم	12
7	سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم؛ رسول کریم ﷺ کی بنی نوع انسان سے محبت ازافاضات حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ	18
8	اسلام کی تعلیم کا بنیادی کمال؛"اعتدال وحکمت کی تعلیم" (قسط سوم و آخری) : سیّد میر محمود احمد ناصر	30
9	تعارف کتاب حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام؛ "پرانی تحریریں" : اے۔ولیم	43
10	بدھ مت از افاضات حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ : مرسلہ، ابن انوار	57
11	ہستی باری تعالیٰ کی دلیل : ابو صریر	74
12	ردّ دہریت: زمین پر زندگی کی ابتداء اور خدا کا "ہاتھ" (قسط سوم) : وسیمہ اپل (آسٹریلیا)	84

پبلشرز : Additional Wakalat Tasneef

Unit 3, Bourne Mill Business Park,
Guildford Road, Farnham, GU9 9PS UK
office@tasneef.co.uk

اداریہ:

اک کرشمہ اپنی قدرت کا دکھا

10 اکتوبر 2025ء جمعہ کا دن، [Friday the 10th] تھا۔ پاکستان میں جماعت احمدیہ کے ہیڈ کوارٹر ربوہ میں دہشت گردی کی ایک بہیمانہ مکروہ کارروائی ہوئی۔ عالمگیر جماعت احمدیہ کے امام، امیر المؤمنین حضرت مرزا مسرور احمد ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے جس کی تفصیلات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

”آج ربوہ میں، مسجد مہدی، جو گولبازار میں ہے اُس پر دہشت گردوں نے حملہ بھی کیا اور ہمارے پانچ چھ لوگ وہاں زخمی ہیں۔ دو بہت زیادہ زخمی ہیں، اُن کا آپریشن وغیرہ بھی ہو رہا تھا۔ اللہ کرے کہ اُن کی حالت بہتر ہو گئی ہو، باقی زخمیوں پر بھی اللہ تعالیٰ فضل فرمائے اور بعض جو دو serious زخمی ہیں ان کے پیٹ میں گولیاں لگی ہیں۔ ایک دہشت گرد کو بھی ہمارے سیکیورٹی والوں نے مار دیا ہے اور ایک دوڑ گیا ہے۔ یہی ابھی تک کی رپورٹ ہے۔ تفصیلات ابھی آئیں گی۔ اللہ تعالیٰ ان دہشت گردوں اور قانون توڑنے والوں اور جماعت کے مخالفین کو جلد پکڑے۔ پنجاب کی وزیر اعلیٰ اور حکومت یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ پنجاب میں سو فیصد جرائم کنٹرول ہو چکے ہیں اور اب کوئی مجرم نہیں رہا، لیکن احمدیوں پر جو آئے دن حملے ہوتے ہیں، قتل، شہید کئے جا رہے ہیں یا زخمی کئے جا رہے ہیں، اُن کے مالوں کو آگیں لگائی جا رہی ہیں، اِس کو شاید یہ جرم سمجھتے نہیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان حکومتوں کو بھی عقل دے اور **جلد ہی اللہ تعالیٰ جماعت کے حق میں نشان ظاہر فرمائے۔** “

(از خلاصہ خطبہ فرمودہ 10 اکتوبر 2025ء، روزنامہ الفضل انٹرنیشنل 13 اکتوبر 2025ء جلد 32 شمارہ 243 صفحہ 3)

ہمارا خدا ایک قادر خدا ہے۔ جسے سب زور قدرت ہے۔ ہم پچھلے ڈیڑھ سو سال سے دیکھتے چلے آرہے ہیں۔ ناممکن کو وہ ممکن کر کے دکھاتا چلا آیا ہے۔ جماعت احمدیہ کی تائید و نصرت میں ہمیشہ وہ ہاتھ ہمارے ساتھ رہا ہے۔ یہ اسی قادر و قدیر کی تائیدات ہی ہیں کہ جماعت احمدیہ وہ چٹان ثابت ہوئی ہے کہ جو اس کے ساتھ ٹکرایا وہ پاش پاش ہو گیا اور جس پر یہ چٹان گری اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ یہ خدا کے ہاتھ کا لگایا ہوا وہ پودا ہے کہ جس کی حفاظت ہمیشہ اسی قادر و توانا خدا نے کی ہے۔ اور اسکو ہی اس زمانے میں اس خدائے غیور نے ترجیح دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بانیٔ سلسلہ احمدیہ کو اپنے پیار بھرے الفاظ میں ایک الہام میں یہ بشارت دی تھی کہ ''اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ۔ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک چیز پر تجھے ترجیح دی۔'' (تذکرہ، صفحہ 373 ایڈیشن چہارم 2004ء)

آج بھی مخالف طاقتیں خاص طور پر اس ملک میں جماعت احمدیہ پر ہر قسم کا ظلم و ستم روا رکھے ہوئے ہیں یوں لگتا ہے کہ ہر ایک مخالف ظالم کو کھلی چھٹی ہے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ خدا تعالیٰ نے اپنے جس محبوب بندے کو ترجیح دی ہوئی ہے وہی آخر کار غالب آئے گا۔ خدا کے اس محبوب اور پیارے نے یہ دعا کی ہے کہ جماعت کے حق میں خدا کوئی جلد نشان دکھائے گا۔ اور یہ دعائیں مقبول دعائیں ہیں۔ کبھی رد ہونے والی نہیں ہیں۔ **خدا کے دربار میں اُس کی دعائیں بھی مقبول ہیں اور دعا کرنے والے کو بھی ترجیحی مقام حاصل ہے**۔ اور..... ..... اور یہ کوئی اتفاق نہیں ہو گا کہ ''اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ'' کا یہ الہام پنجاب کے شہر مرید کے اور کاموں کی کے درمیان ہی ہوا تھا۔ جنوری 1903ء کو..... .....

اِک کرشمہ اپنی قدرت کا دکھا
تجھ کو سب قدرت ہے اے ربّ الوریٰ
حق پرستی کا مٹا جاتا ہے نام
اِک نشاں دکھلا کہ ہو حجت تمام

ارشاد باری تعالیٰ

دوزخ سے بچانے والا وجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ۔(اٰل عمران: 104)

ترجمہ: اور تم سب (کے سب) اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور پراگندہ مت ہو اور اللہ کا احسان جو (اس نے) تم پر (کیا) ہے یاد کرو کہ جب تم (ایک دوسرے کے) دشمن تھے اس نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کر دی جس کے نتیجہ میں تم اس کے احسان سے بھائی بھائی بن گئے اور تم آگ کے ایک گڑھے کے کنارہ پر تھے مگر اس نے تمہیں اس سے بچا لیا۔ اسی طرح اللہ تمہارے لئے اپنی آیات کو بیان کرتا ہے تاکہ تم ہدایت پاؤ۔ (تفسیر صغیر زیر آیت ہٰذا)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

’’وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا۔ اور تھے تم ایک گڑھے کے کنارہ پر سو اس سے تم کو خلاصی بخشی یعنی خلاصی کا سامان عطا فرمایا۔‘‘ (براہین احمدیہ، روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 601 حاشیہ)

’’تم اس نبی کے آنے سے پہلے دوزخ کے گڑھے کے کنارہ پر پہنچ چکے تھے اور عیسائیوں اور یہودیوں کو بھی متنبہ کیا کہ تم نے اپنے دجل سے خدا کی کتابوں کو بدل دیا اور تم ہر یک شرارت اور بدکاری میں تمام قوموں کے پیشرو ہو اور بت پرستوں کو جا بجا ملزم کیا کہ تم پتھروں اور انسانوں اور ستاروں اور عناصر کی پرستش کرتے ہو اور خالق حقیقی کو بھول گئے ہو اور تم یتیموں کا مال کھاتے اور بچوں کو قتل کرتے اور شرکاء پر ظلم کرتے ہو اور ہر یک بات میں حد اعتدال سے گزر گئے ہو۔‘‘ (نور القرآن، روحانی خزائن جلد 9 صفحہ 337،338)

اللہ کا پیغام لے کر آنے والا وجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جَعْفَرُ بْنُ أَبِي طَالِبٍ، فَقَالَ لَهُ: أَيُّهَا الْمَلِكُ، كُنَّا قَوْمًا أَهْلَ جَاهِلِيَّةٍ نَعْبُدُ الْأَصْنَامَ، وَنَأْكُلُ الْمَيْتَةَ وَنَأْتِي الْفَوَاحِشَ، وَنَقْطَعُ الْأَرْحَامَ، وَنُسِيءُ الْجِوَارَ يَأْكُلُ الْقَوِيُّ مِنَّا الضَّعِيفَ، فَكُنَّا عَلَى ذَلِكَ حَتَّى بَعَثَ اللهُ إِلَيْنَا رَسُولًا مِنَّا نَعْرِفُ نَسَبَهُ، وَصِدْقَهُ، وَأَمَانَتَهُ، وَعَفَافَهُ، " فَدَعَانَا إِلَى اللهِ لِنُوَحِّدَهُ، وَنَعْبُدَهُ، وَنَخْلَعَ مَا كُنَّا نَعْبُدُ نَحْنُ وَآبَاؤُنَا مِنْ دُونِهِ مِنَ الْحِجَارَةِ وَالْأَوْثَانِ، وَأَمَرَنَا بِصِدْقِ الْحَدِيثِ، وَأَدَاءِ الْأَمَانَةِ، وَصِلَةِ الرَّحِمِ، وَحُسْنِ الْجِوَارِ، وَالْكَفِّ عَنِ الْمَحَارِمِ، وَالدِّمَاءِ، وَنَهَانَا عَنِ الْفَوَاحِشِ، وَقَوْلِ الزُّورِ، وَأَكْلِ مَالَ الْيَتِيمِ، وَقَذْفِ الْمُحْصَنَةِ، وَأَمَرَنَا أَنْ نَعْبُدَ اللهَ وَحْدَهُ لَا نُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا، وَأَمَرَنَا بِالصَّلَاةِ، وَالزَّكَاةِ، وَالصِّيَامِ "، قَالَ: فَعَدَّدَ عَلَيْهِ أُمُورَ الْإِسْلَامِ، فَصَدَّقْنَاهُ وَآمَنَّا بِهِ وَاتَّبَعْنَاهُ عَلَى مَا جَاءَ بِهِ، فَعَبَدْنَا اللهَ وَحْدَهُ، فَلَمْ نُشْرِكْ بِهِ شَيْئًا، وَحَرَّمْنَا مَا حَرَّمَ عَلَيْنَا، وَأَحْلَلْنَا مَا أَحَلَّ لَنَا، فَعَدَا عَلَيْنَا قَوْمُنَا، فَعَذَّبُونَا وَفَتَنُونَا عَنْ دِينِنَا لِيَرُدُّونَا إِلَى عِبَادَةِ الْأَوْثَانِ مِنْ عِبَادَةِ اللهِ، وَأَنْ نَسْتَحِلَّ مَا كُنَّا نَسْتَحِلُّ مِنَ الْخَبَائِثِ، فَلَمَّا قَهَرُونَا وَظَلَمُونَا، وَشَقُّوا عَلَيْنَا، وَحَالُوا بَيْنَنَا وَبَيْنَ دِينِنَا، خَرَجْنَا إِلَى بَلَدِكَ، وَاخْتَرْنَاكَ عَلَى مَنْ سِوَاكَ، وَرَغِبْنَا فِي جِوَارِكَ، وَرَجَوْنَا أَنْ لَا نُظْلَمَ عِنْدَكَ أَيُّهَا الْمَلِكُ۔

(مسند احمد بن حنبل، مسند اہل البیت، حدیث جعفر بن ابو طالب: 1740)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”**جعفر ابن ابی طالب** جو حضرت علیؓ کے حقیقی بھائی تھے بادشاہ (شاہ حبشہ۔ ناقل) کی خدمت میں آگے بڑھے اور سب کی طرف سے اپنا حال یوں بیان کیا۔

اے بادشاہ! ہمارا یہ حال ہے کہ ہم جہالت اور گمراہی کے گڑھے میں گرے ہوئے تھے ہم بتوں کی پوجا کرتے تھے، گندی فحش باتیں بکتے تھے، مردار کھایا کرتے تھے، ہم میں کوئی انسانیت کی خوبی نہ تھی۔ خداوند تعالیٰ نے جس کا فضل تمام جہان پر چھایا ہوا ہے **محمدؐ** کو اس پر اللہ کی رحمت اور سلامتی ہو، ہمارے لئے رسول کر کے بھیجا۔ اس کی شرافت، نسب اور راست گفتاری، صفا باطنی اور دیانت داری سے ہم خوب آگاہ ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی مرضی ظاہر فرمائی اور وہ اللہ کا پیغام لے کر ہمارے پاس آیا کہ صرف ایک خدا پر ایمان رکھو، اس کی ذات اور صفات میں اور کسی کو شریک مت کرو، اور بتوں کی پرستش مت کرو، راست گفتاری اپنا شعار ٹھہراؤ، امانت میں کبھی خیانت نہ کرو، اپنے تمام ابنائے جنس سے ہمدردی رکھو، پڑوسیوں کے حقوق کی نگہداشت کرو، عورت ذات کی عزت کرو، یتیموں کا مال نہ کھاؤ، پاکیزگی اور پرہیزگاری کی زندگی اختیار کرو، خدا کی عبادت کرو، اس کی یاد میں کھانا پینا تک بھول جاؤ، راہ خدا میں غریبوں کی مدد کے لئے خیرات کرو۔

اے بادشاہ! صرف اس ایمان لانے پر ہمیں وہ ایذائیں دی گئی ہیں کہ ہمیں جلا وطن ہونا اور راہ غربت اختیار کرنا پڑا ہے ہمیں اپنے دیس میں کہیں پناہ نہ ملی۔ تیرے انصاف اور رحم سے ہمیں امید ہے کہ تو ہم غریبوں پر ظلم نہ ہونے دے گا۔“

(چشمہ معرفت، روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 260، 261)

امام الکلام

آپ ﷺ نے انہیں خالص سونے کی ڈلی کی مانند بنا دیا

حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحب قادیانی بانیٔ جماعت احمدیہ مسیح موعود و مہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

وَقَدِ اقْتَفَاكَ اُولُو النُّهٰى وَبِصِدْقِهِمْ　　وَدَعُوْا تَذَكُّرَ مَعْهَدِ الْاَوْطَانِ

بے شک دانشمندوں نے تیری پیروی کی ہے اور اپنے صدق کی وجہ سے انہوں نے وطنوں کی یاد بھلا دی ہے۔

كَسَحُوْا بُيُوْتَ نُفُوْسِهِمْ وَتَبَادَرُوْا　　لِتَمَتُّعِ الْاِيْقَانِ وَالْاِيْمَانِ

انہوں نے اپنے نفس کے گھروں کو خوب صاف کیا اور یقین و ایمان کی دولت سے فائدہ اٹھانے کے لئے آگے بڑھے

جَاءُوْكَ مَنْهُوْبِيْنَ كَالْعُرْيَانِ　　فَسَتَرْتَهُمْ بِمَلَاحِفِ الْاِيْمَانِ

وہ تیرے پاس لٹے پٹے برہنہ شخص کی مانند آئے تو تو نے انہیں ایمان کی چادریں اوڑھا دیں

صَادَفْتَهُمْ قَوْمًا كَرَوْثٍ ذِلَّةً　　فَجَعَلْتَهُمْ كَسَبِيْكَةِ الْعِقْيَانِ

تو نے انہیں گوبر کی طرح ذلیل قوم پایا تو تو نے انہیں خالص سونے کی ڈلی کی مانند بنا دیا

كَانَ الْحِجَازُ مَغَازِلَ الْغِزْلَانِ　　فَجَعَلْتَهُمْ فَانِيْنَ فِي الرَّحْمَانِ

اہل حجاز آہو چشم عورتوں سے عشق بازی میں لگے ہوئے تھے سو تو نے انہیں خدائے رحمٰن (کی محبت) میں فانی بنا دیا

شَيْئَانِ كَانَ الْقَوْمُ عُمْيًا فِيْهِمَا　　حَسْوُالْعُقَارِ وَ كَثْرَةُ النِّسْوَانِ

دو باتیں تھیں جن میں قوم اندھی ہو رہی تھی یعنی مزے لے لے کر شراب نوشی اور بہت سی عورتیں رکھنا

وَجَعَلْتَ دَسْكَرَةَ الْمُدَامِ مُخَرَّبًا وَأَزَلْتَ حَانَتَهَا مِنَ الْبُلْدَانِ

اور تونے مے خانوں کو ویران کر دیا اور شہروں سے شراب کی دکانیں ہٹادیں

كَمْ شَارِبٍ بِالرَّشْفِ دَنًّا طَافِحًا فَجَعَلْتَهُ فِي الدِّيْنِ كَالنَّشْوَانِ

بہت سے تھے جو لبالب خم لنڈھا جاتے تھے سو تونے ان کو دین میں متوالے بنادیا

كَمْ مُحْدِثٍ مُسْتَنْطِقِ الْعِيْدَانِ قَدْ صَارَ مِنْكَ مُحَدَّثَ الرَّحْمَانِ

کتنے ہی بدعتی سارنگیاں بجانے والے تیرے طفیل خدائے رحمان سے ہم کلام ہو گئے

كَمْ مُسْتَهَامٍ لِلرَّشُوْفِ تَعَشُّقًا فَجَذَبْتَهُ جَذْبًا إِلَى الْفُرْقَانِ

بہتیرے معطر دہن عورتوں کے عشق میں سرگرداں تھے سو تونے انہیں فرقان کی طرف کھینچ لیا

أَحْيَيْتَ أَمْوَاتَ الْقُرُوْنِ بِجَلْوَةٍ مَاذَا يُمَاثِلُكَ بِهٰذَا الشَّانِ

تونے صدیوں کے مردوں کو ایک ہی جلوہ سے زندہ کر دیا۔ کون ہے جو اس شان میں تیرا مثیل ہو سکے؟

فَطَلَعْتَ يَا شَمْسَ الْهُدٰى نُصْحًا لَّهُمْ لِتُضِيْئَهُمْ مِنْ وَّجْهِكَ النُّوْرَانِي

سوائے آفتاب ہدایت! تونے ان کی خیر خواہی کے لئے طلوع کیا تا اپنے نورانی چہرہ سے تو انہیں منور کر دے

يَا لَلْفَتٰى مَا حُسْنُهُ وَجَمَالُهُ رَيَّاهُ يُصْبِي الْقَلْبَ كَالرَّيْحَانِ

واہ! کیا ہی جوان مرد ہے! کیسے حسن و جمال والا ہے! جس کی خوشبو دل کو ریحان کی طرح موہ لیتی ہے

وَجْهُ الْمُهَيْمِنِ ظَاهِرٌ فِي وَجْهِهٖ وَشُئُوْنُهُ لَمَعَتْ بِهٰذَا الشَّانِ

آپ کے چہرہ میں خدا کا چہرہ نمایاں ہے اور خدا کی صفات (آپ کی) اس شان سے جلوہ گر ہو گئیں

(آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 591، 592)

(ترجمہ از قصائد الاحمدیہ، صفحہ 2 تا 5 شائع کردہ نظارت اشاعت ربوہ 2007ء)

کلام الامام

حیات روحانی صرف متابعت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتی ہے

امام جماعت احمدیہ عالمگیر حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

”جیسا کہ ہر احمدی جانتا ہے کہ ہر احمدی بھی اور ہر وہ شخص بھی جو بیعت کر کے جماعت میں نیا داخل ہوتا ہے تو وہ حقیقت میں یہ اعلان کر رہا ہوتا ہے کہ آج میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جماعت میں شامل ہو کر آپؑ کو مسیح و مہدی مان کر اپنے آپ کو دراصل اس گروہ میں شامل کرنے کا اعلان کرتا ہوں جو حقیقت میں اللہ اور اس کے رسول کی آواز پر لبیک کہنے والے ہیں۔ وہ یہ اعلان کرتا ہے کہ آج میں اللہ تعالیٰ کے قرآن کریم میں بیان کردہ تمام احکامات اور تمام پیشگوئیوں پر ایمان لانے والا بنتا ہوں۔ وہ یہ اعلان کرتا ہے کہ آج میں حضرت محمد مصطفیٰ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام پیشگوئیوں پر کامل ایمان لانے والا بنتا ہوں۔ وہ یہ اعلان کرتا ہے کہ آج میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام احکامات پر عمل کرنے کا عہد کرتا ہوں تاکہ ایک روحانی زندگی پاؤں۔ اگر اس کے سوا کسی کے ذہن میں کوئی بات آتی ہے تو وہ اس دعوے میں جھوٹا ہے کہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانیؑ مسیح موعود اور مہدی معہود ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات پر پابندی کے بارے میں **حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سب سے پہلے تو شرائط بیعت میں بڑے واضح طور پر بیان فرما دیا ہے کہ احمدیت ہے ہی خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کی پابندی کا نام۔** جیسا کہ بیعت کی تیسری شرط میں بیان ہوا ہے کہ:

”بلاناغہ پنجوقتہ نماز موافق حکم خدا اور رسول کے ادا کرتا رہے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے میں

مداومت اختیار کرے گا۔“

پھر پانچویں شرط میں ہے کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ وفاداری کرے گا۔ پھر چھٹی شرط میں ہے کہ:

”قرآن شریف کی حکومت کو بکلّی اپنے سر پر قبول کریگا اور قال اللہ اور قال الرسول ﷺ کو اپنے ہر ایک عمل میں دستور العمل قرار دے گا۔“

گویا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لانا اور آپؑ کی بیعت میں آنا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات پر عمل کرنے اور نئی روحانی زندگی حاصل کرنے کے لئے ہے۔ پس خوش قسمت ہے ہر وہ شخص جو اس مقصد کے لئے جماعت میں شامل ہوتا ہے اور جماعت میں رہتا ہے۔ خوش قسمت ہیں ہم جو اس زمانے میں آنحضرت ﷺ کے عاشق صادق پر ایمان لا کر اللہ اور اس کے رسول کی پکار کو سننے والے بنے تا کہ احیاء موتیٰ کا نظارہ دیکھیں، اپنے مردہ جسموں کو زندہ ہوتا دیکھیں۔

پس ہم پر جو یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ گویا نعوذ باللہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نبی مان کر، مسیح و مہدی مان کر ہم گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ نعوذ باللہ گرانے والے ہیں۔ یہ سراسر احمدیوں پر الزام ہے۔ آپ (حضرت مسیح موعود علیہ السلام) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مقام اور یہ کہ کس طرح آپؐ نے مردوں کو زندہ کیا اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

”دنیا میں ایک رسول آیا تا کہ ان بہروں کو کان بخشے کہ جو نہ صرف آج سے بلکہ صدہا سال سے بہرے ہیں۔ کون اندھا ہے اور کون بہرا؟ وہی جس نے توحید کو قبول نہیں کیا اور نہ اس رسول کو جس نے نئے سرے سے زمین پر توحید کو قائم کیا۔ وہی رسول جس نے وحشیوں کو انسان بنایا اور انسان سے با اخلاق انسان یعنی سچے اور واقعی اخلاق کے مرکز اعتدال پر قائم کیا۔“ یعنی ایسے اعلیٰ اخلاق اور ایسے متوازن اخلاق کی تعلیم دی جس پر چل کر کسی قسم کے ظلم کا تصور ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ انصاف، عدل اور ایتاء ذی القربیٰ کی تعلیم ہے ”اور پھر با اخلاق انسان سے باخدا ہونے کے الٰہی رنگ سے رنگین کیا۔ وہی رسول، ہاں وہی آفتاب صداقت، جس کے قدموں پر ہزاروں مردے، شرک اور دہریت اور فسق اور فجور کے جی اٹھے۔“ (مجموعہ اشتہارات جلد 2 صفحہ 8 جدید ایڈیشن مطبوعہ ربوہ)

پس یہ ہے وہ انسان کامل جس نے یہ انقلاب پیدا کیا اور یہ وہ انسان کامل ہے جس کے غلام صادق کو اللہ تعالیٰ نے اس زمانے میں اپنے آقا و مطاع کی غلامی میں مُردوں کو زندہ کرنے کے لئے بھیجا ہے۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مقام کے بارہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک اور جگہ اس طرح فرماتے ہیں کہ:

”واضح ہو کہ قرآن کریم اس محاورے سے بھرا پڑا ہے کہ دنیا مرچکی تھی اور خدا تعالیٰ نے اپنے اس نبی خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیج کر نئے سرے دنیا کو زندہ کیا جیسا کہ وہ فرماتا ہے: اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا۔(الحدید :18) یعنی اس بات کو سن رکھو کہ زمین کو اس کے مرنے کے بعد خدا تعالیٰ زندہ کرتا ہے۔ پھر اسی کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے حق میں فرماتا ہے: وَ اَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ۔(المجادلہ:23) یعنی ان کو روح القدس کے ساتھ مدد دی۔ اور روح القدس کی مدد یہ ہے کہ دلوں کو زندہ کرتا ہے۔“ ایمان لانے کے بعد پھر ایمان میں بڑھاتا ہے ”اور روحانی موت سے نجات بخشتا ہے اور پاکیزہ قوتیں اور پاکیزہ حواس اور پاک علم عطا فرماتا ہے اور علوم یقینیہ اور براہین قطعیہ سے خدا تعالیٰ کے مقام قرب تک پہنچا دیتا ہے..... اور یہ علوم جو مدار نجات ہیں یقینی اور قطعی طور پر بجز اس حیات کے حاصل نہیں ہو سکتے جو بتوسّط روح القدس انسان کو ملتی ہے اور قرآن کریم کا بڑے زور شور سے یہ دعویٰ ہے کہ وہ **حیات روحانی صرف متابعت اس رسول کریمؐ سے ملتی ہے** اور تمام وہ لوگ جو اس نبی کریم ﷺ کی متابعت سے سرکش ہیں وہ مُردے ہیں جن میں اس حیات کی روح نہیں ہے اور حیات روحانی سے مراد انسان کے وہ علمی اور عملی قویٰ ہیں جو روح القدس کی تائید سے زندہ ہو جاتے ہیں۔“

(آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن جلد5 صفحہ194تا196)

جو الفاظ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام و مرتبہ کے بارے میں بیان فرمائے ہیں کیا کوئی برابری کرنے والا یا برابری کا خیال کرنے والا ایسے الفاظ استعمال کر سکتا ہے؟ پس ہم تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم کے مطابق اس بات کے ماننے والے ہیں کہ روحانی زندگی کا ذریعہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو بنایا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تو آپؐ کے عاشق صادق اور ایک ادنیٰ غلام ہیں جنہیں اس زمانے میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کو زندگی بخشنے کے لئے آپؐ کی متابعت میں اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا ہے تاکہ پھر سے دنیا میں وہ گروہ قائم ہو جو اللہ اور اس کے رسول کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے روحانی زندگی حاصل کرنے کے لئے، اپنی روحانیت کو نکھارنے کے لئے، اس امام کے ہاتھ پر جمع ہو جائے۔“

(از خطبہ جمعہ بیان فرمودہ مؤرخہ 5 اکتوبر 2007ء مطبوعہ الفضل انٹرنیشنل مورخہ 26 اکتوبر تا 1 نومبر 2007ء، خطبات مسرور جلد5 صفحہ401تا403)

صدائے امن و ایمان

دورِ حاضر میں امن عالم کی ضامن واحد آسمانی پکار

(مرسلہ: ج۔ایم)

امام جماعت احمدیہ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز عصرِ حاضر میں عالمی امن کے قیام کے لیے مسلسل دنیا کو توجہ دلا رہے ہیں، اور مختلف بین الاقوامی فورمز اور خطابات وغیرہ کے ذریعہ بھی انسانیت کو باہمی اخوت و ہمدردی، عدل اور امن و محبت کی راہوں کی طرف بلاتے چلے آرہے ہیں۔

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے 09 مارچ 2019ء کو جماعت احمدیہ برطانیہ کے زیرِ انتظام سولہویں پیس سمپوزیم کے موقع پر صدارتی خطاب میں فرمایا:

"**امن کے قیام کے لیے** خواہ وہ مسلم ممالک میں ہو یا بین الاقوامی سطح پر، یہ **ضروری ہے کہ حکومتوں کی طرف سے کم از کم انصاف کے تقاضے پورے کئے جائیں** تا کہ تمام لوگوں کو ان کے حقوق مساوی طور پر میسّر آئیں اور ذاتی مفادات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے عدل اور انصاف کو قائم رکھا جاسکے۔ مزید یہ کہ **بین الاقوامی ادارے جیسا کہ اقوام متحدہ ہے ہر ملک سے برابری کا سلوک رکھیں** اور ایسا نہ ہو کہ معاملات کو طے کرنے میں کچھ طاقتوں کے مفادات کی خاطر ایک طرف مائل ہو جائیں۔ **یہ امن کے حصول کے لیے ضروری ہے اور اسی پر عمل کر کے ہم دنیا میں امن کا قیام** کر سکتے ہیں۔ یہ انسانیت کو خطرناک تباہی سے بچانے کا واحد راستہ ہے۔

... **ہمیں اپنی ساری طاقتیں اور قوتیں امن کے قیام میں صَرف کرنی چاہئیں۔** ہمیں ہر جھگڑے کو پُر امن طریقے سے نمٹانا چاہیئے، آپس میں بیٹھ کر بات چیت اور باہمی سمجھوتہ کے ذریعہ مسائل کا حل ڈھونڈنا چاہیئے اور ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی اور حفاظت کے ذریعہ امن کے قیام کو یقینی بنانا چاہیئے۔"

(ہفت روزہ الفضل انٹرنیشنل جلد26 شمارہ14 مورخہ5 اپریل2019ء صفحہ24 اور19,20)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خطبہ جمعہ مورخہ 5 جولائی2024ء میں فرمایا:

"**دعا کریں اللہ تعالیٰ دنیا میں عمومی امن بھی قائم فرمائے وہ امن جس کی خاطر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانے میں بھی کوششیں کی اور یہی مقصد تھا آپؐ کے آنے کا، یہی مقصد ہے اسلام کی تعلیم کا۔** یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے خاص فضل سے ہی ہو سکتا ہے۔ اس کے لیے دعاؤں کی ضرورت ہے۔ بظاہر لگتا ہے کہ دنیا والے اب اپنے پاؤں پر کلہاڑا مارنے پر تلے ہوئے ہیں ظاہری طور پر امن کی صورت نظر نہیں آ رہی۔"

(الفضل انٹرنیشنل مورخہ 22 تا27 جولائی2024ء صفحہ 9)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خطبہ جمعہ مورخہ 12 جنوری2024ء میں فرمایا:

"اب تو بہت سارے لکھنے والوں نے لکھ دیا ہے اور لکھ رہے ہیں کہ **عالمی جنگ کے آثار بڑے قریب نظر آ رہے ہیں۔ پس دعاؤں کی بہت ضرورت ہے** اللہ تعالیٰ انسانیت کو عقل اور سمجھ عطا فرمائے۔"

(روزنامہ الفضل انٹرنیشنل مورخہ 2 فروری2024ء صفحہ 7)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خطبہ جمعہ مورخہ 16 فروری2024ء میں فرمایا:

"دنیا کے جو حالات ہیں اس کے بارے میں بھی کچھ کہہ دوں۔ جنگ کی آگ تو اب پھیلتی جا رہی ہے۔ انسانیت کے تباہی سے بچنے کے لیے اب بہت دعاؤں کی ضرورت ہے اور احمدی ہی اگر حقیقت میں صحیح طرح دعا کریں تو اس کے لیے کچھ کر سکتے ہیں۔

... **اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر بھی رحم فرمائے اور ان کو بھی خدا تعالیٰ کی طرف جھکائے۔** یہی ایک رستہ ہے جس کی پناہ میں آ کے یہ لوگ اپنی دنیا و عاقبت سنوار سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحم کرے اور ہمیں بھی دعاؤں کی توفیق عطا فرمائے اور ہم پر بھی رحم فرمائے۔" (روزنامہ الفضل انٹرنیشنل مورخہ 8 مارچ2024ء صفحہ 7)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خطبہ جمعہ مورخہ 2 مئی2025ء میں فرمایا:

"میں کہتا رہتا ہوں کہ دنیا کے عمومی حالات کے لیے دعائیں جاری رکھیں... اللہ تعالیٰ ظلم کا خاتمہ کرے،

مظلوموں کی حفاظت فرمائے۔ حکومتوں کو عقل دے کہ جنگوں کی طرف بڑھنے کی بجائے صلح اور صفائی سے معاملات طے کریں۔ بین الاقوامی معاہدوں کی پاسداری کرنے والے ہوں اور اللہ تعالیٰ بین الاقوامی تنظیموں کو بھی جہاں آجکل انصاف تو مشکل سے ملتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ ان تنظیموں کو بھی توفیق دے اور دونوں طرف کے ہمدردوں اور دوستوں کو بھی توفیق دے کہ ان ملکوں کے آپس میں معاملات حل کروا سکیں۔ . .

جنگ ہوتی ہے تو دونوں طرف نقصان ہوتا ہے اور پھر صرف سپاہی نہیں بلکہ عوام اور مظلوم بھی بلاوجہ مارے جاتے ہیں۔ یہی ہم آجکل کی جنگوں میں دیکھ رہے ہیں۔ ہر جگہ یہی ہو رہا ہے بہر حال دنیا کے سب مظلوموں کے لیے دعا کریں۔ **بظاہر تو دنیا تباہی کے دہانے پہ کھڑی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی اسے تباہی سے بچائے اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب یہ خدا تعالیٰ کی طرف جھکنے والے بن جائیں۔** اللہ تعالیٰ انہیں توفیق دے اور ہمیں بھی دعاؤں کی توفیق دے۔"

(الفضل انٹر نیشنل مورخہ 23 مئی 2025ء صفحہ 6)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خطبہ جمعہ مورخہ 22 نومبر 2024ء میں فرمایا:

"دعا کریں اللہ تعالیٰ احمدیوں اور امن پسند لوگوں کو جنگ کے بداثرات سے محفوظ رکھے اور یہ لوگ جنگ میں ایسے ہتھیار استعمال نہ کریں جن کے استعمال سے آئندہ نسلیں متاثر ہوتی ہوں۔ . .

دوسرے اس بات کی طرف بھی توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ یہ حالات جس طرح تیزی سے بگڑے ہیں اور بگڑ رہے ہیں۔ ان حالات کی وجہ سے پہلے ہی لوگوں میں توجہ ہے ...... **لیکن سب سے اہم نکتہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ اس کی رضا حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ اس سے تعلق پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ اس میں بڑھنے کی کوشش کریں۔"**

(الفضل انٹر نیشنل مورخہ 13 دسمبر 2024ء صفحہ 6)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خطبہ جمعہ مورخہ 9 مئی 2025ء میں فرمایا:

"اگر کسی کو پیغام دینے کی بہت زیادہ خواہش ہے تو امن اور سلامتی کا پیغام دیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اپنی زندگی کے آخر میں جو پیغام صلح تصنیف فرمائی تھی اس میں آپؑ نے یہی پیغام دیا تھا کہ امن اور صلح کا پیغام تھا۔ **اس لیے اسے ہر احمدی کو یاد رکھنا چاہیئے اور اسی کے لیے کوشش کرنی چاہیئے۔** اللہ تعالیٰ سب کو معصوم جانوں کے نقصان سے بچائے۔ . . اگر عالمی جنگ ہوئی تو بعض لوگوں کا، بعض ملکوں کا یہ خیال غلط ہے کہ وہ بچ جائیں گے۔ یہ

سب کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔

پس اس غلط فہمی سے ہر ایک کو بچنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ سب کو محفوظ رکھے۔ بہر حال اس کا حل صرف اور صرف جیسا میں ہمیشہ کہتا ہوں یہی ہے کہ **خدا تعالیٰ کی طرف جھکیں اور وہی ایک راستہ ہے جو ان کو بچا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں۔**"

(الفضل انٹرنیشنل مورخہ 30 مئی 2025ء صفحہ 7)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خطبہ جمعہ مورخہ 02 فروری 2024ء میں فرمایا:

"مغربی حکومتوں میں انصاف کا کوئی نام و نشان ہی نہیں۔ اب تو ان کے اپنے لکھنے والے مزید کھل کر لکھنے لگ گئے ہیں کہ ظلم کی انتہا ہو رہی ہے۔ امریکہ کے لیڈر صرف اپنی معیشت بہتر کرنے کے لیے ان جنگوں کو ہوا دے رہے ہیں اور اسی وجہ سے ان کی آمد بڑھ رہی ہے کیونکہ ان کے اسلحہ کے کارخانے زیادہ پیداوار دے رہے ہیں۔ اب تو ان کے اپنے تجزیہ نگار بھی یہی کہہ رہے ہیں کہ **امریکہ اپنی اکانومی کو بہتر کرنے کے لیے اس جنگ کو طول دینے کی کوشش کر رہا ہے اور دنیا میں فساد پھیلا رہا ہے۔** یہ نہیں جانتے کہ خدا تعالیٰ کی پکڑ سے یہ لوگ بچ نہیں سکتے۔

احمدی بہر حال اپنی دعاؤں اور رابطوں سے تباہی سے بچنے کے لیے اپنا کردار ادا کریں...... بہر حال اللہ تعالیٰ ان مسلمان ملکوں کو بھی اپنا کردار ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور دنیا کا فساد بھی ختم ہو۔"

(روزنامہ الفضل انٹرنیشنل مورخہ 23 فروری 2024ء صفحہ 6)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خطبہ جمعہ مورخہ 15 مارچ 2024ء میں فرمایا:

"جنگوں کے بد اثرات سے بچنے کے لیے بھی دعا کریں۔ مسلمان ممالک میں اقتدار کی خاطر جو جنگیں لڑی جا رہی ہیں اور اس کے نتیجہ میں جو معصوم عوام ظلم کی چکی میں پس رہے ہیں اللہ تعالیٰ ان پر بھی رحم کرتے ہوئے ان ظالموں سے نجات دے۔

دنیا کے عمومی حالات کے لیے بھی دعا کریں۔ اللہ تعالیٰ جنگ اور اس کے خطرناک نتائج سے بچائے۔ جنگ کی صورت میں ظاہر ہے کہ احمدی بھی اس سے متاثر ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس سے محفوظ رکھے۔ **اس سے بچنے کے لیے بھی ہر احمدی کو اپنے تقویٰ کا معیار اونچا کرنا ہو گا یہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی بھی ہر ایک کو توفیق دے۔**" (روزنامہ الفضل انٹرنیشنل مورخہ 5 اپریل 2024ء صفحہ 7)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خطبہ جمعہ مورخہ 5 اپریل 2024ء میں فرمایا:

”**ہمیں اور ہماری نسلوں کے جنگوں کی آگ سے محفوظ رہنے اور اس کے بعد کے اثرات سے محفوظ رہنے کے لیے بہت دعا کریں۔** اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے بچائے۔ اور اب لگتا ہے کہ یہ جنگ سامنے کھڑی کیا اب تو شروع ہو چکی ہے بلکہ عالمی جنگ شروع ہو چکی ہے لیکن دنیا کے حکمرانوں کو اس کی کوئی فکر نہیں۔ ان کے خیال میں وہ محفوظ رہیں گے اور عوام مریں گے لیکن یہ بھی ان کی خام خیالی ہے۔ اپنی اَنا کو مقدم کر رہے ہیں۔ عوام کی تو ان کو کوئی پروا بھی نہیں ہے۔ یہی دجالی چالیں ہیں۔ عوام کو اپنے دام میں پھنسا لیا ہے کہ ہم تمہارے لیے یہ کرتے ہیں وہ کرتے ہیں اور اب تو عوام میں کہیں کہیں بہر حال آوازیں اٹھنی شروع ہو گئی ہیں لیکن ان کی چالوں نے لوگوں کو خدا تعالیٰ سے دُور کر دیا ہے۔ خود تو یہ دُور ہیں ہی اور ساتھ ہی ہر قسم کی بے حیائی اور بے باکی عروج پر ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے۔ اس کا نتیجہ یہی نکلنا ہے کہ خدا تعالیٰ کی پکڑ میں آئیں۔ ایسے میں **احمدیوں کو اپنے آپ کو خدا کے قریب کرنے اور دعاؤں میں اضطرار پیدا کرنے کی بہت ضرورت ہے تاکہ** ان کے شر سے بچ سکیں۔ ان کے نیک فطرت لوگوں کے بھی شر سے بچنے کے لیے، جو ان کے نیک فطرت لوگ ہیں ان کے لیے بھی دعا کریں کہ وہ بھی شر سے بچ جائیں۔

... بہر حال **یہ دعا کرنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ انسانیت کو بچالے** اور ہمیں دعاؤں میں بھی اپنا حق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔“(روزنامہ الفضل انٹرنیشنل مورخہ 26 اپریل 2024ء صفحہ 8)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے مورخہ 28 ستمبر 2025ء کو مجلس انصار اللہ برطانیہ کے سالانہ اجتماع کے موقع پر فرمایا:

”آجکل کے جو حالات دنیا کے ہیں، اس کے لیے بھی ضروری ہے کہ **ہم اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں اور درود بھیجنے کی طرف خاص توجہ کریں۔ پس درود کی طرف خاص طور پر توجہ دیں۔** اسی سے ہم اُن مشکل حالات سے بھی گزر سکتے ہیں، آجکل دنیا جن باتوں میں ڈوبی ہوئی ہے اور تباہی کی طرف جارہی ہے۔ اس تباہی سے بچنے کے لیے بھی ضروری ہے کہ ہم درود پڑھیں، اور پھر دعائیں کریں تو آنحضرتؐ کے ارشاد کے مطابق اللہ تعالیٰ ہماری دعائیں سنے گا۔“

(الفضل انٹرنیشنل مورخہ 4 اکتوبر 2025ء صفحہ 6)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خطبہ جمعہ مورخہ 8 مارچ 2024ء میں توجہ دلاتے ہوئے فرمایا:

”اپنے حلقہ میں ان کے حق میں ظلم کے ختم کرنے کے بارے میں کوشش بھی کرنی چاہیئے۔ میں نے پہلے بھی کہا

تھا سیاستدانوں کو خطوط لکھیں اور یہ لکھتے رہیں، ہمیں تھکنا نہیں چاہیئے۔ سیاستدانوں کو سمجھائیں کہ جو بھی تم لوگ کر رہے ہو بڑا غلط کر رہے ہو۔

... اللہ تعالیٰ دنیا کو یہ بھی عقل دے کہ وہ ترقی کے نام پر دنیا کی غلاظتوں میں پڑنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کی پہچان کریں۔ مسلمان ملکوں کو بھی اللہ تعالیٰ انصاف پر قائم کر کے ایک ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ ہمیں بھی توفیق دے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے پیغام کو ہر شخص تک پہنچانے والے ہوں۔"

(روزنامہ الفضل انٹرنیشنل مورخہ 29 مارچ 2024ء صفحہ 6)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خطبہ جمعہ مورخہ 18 اکتوبر 2024ء میں فرمایا:

"ہر احمدی کا فرض بنتا ہے کہ اس تبلیغ کو، اس پیغام کو جو اسلام کا پیار اور محبت اور امن سے رہنے کا پیغام ہے، صلح اور آشتی کا پیغام ہے دنیا کو بتائیں اور آشنا کریں اور پھیلائیں کہ یہی انسان کی بقا کا ضامن ہے اس کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں ورنہ آئندہ نسلیں تباہی اور بربادی کے گڑھے میں گرتی چلی جائیں گی اور ان جنگوں کی وجہ سے کوئی بعید نہیں کہ آئندہ پیدا ہونے والی نسلیں اپاہج اور لنگڑی اور لولی پیدا ہوں۔

پس اس لحاظ سے بھی لوگوں کو آگاہ کرنا ضروری ہے۔"

(الفضل انٹرنیشنل مورخہ 8 نومبر 2024ء صفحہ 6)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خطبہ جمعہ مورخہ 5 جنوری 2024ء میں فرمایا:

"اپنے اپنے حلقۂ احباب میں ... آواز بھی اٹھاتے رہیں۔ لوگوں کو بتاتے بھی رہیں خاص طور پر سیاستدانوں کو۔ پہلے بھی میں نے کہا تھا۔... اللہ تعالیٰ ... ان کو بھی عقل اور سمجھ دے اور یہ اس طرف بھی غور کریں کہ **زمانے کے امام کی آواز کو بھی سنیں اور اس کو مانیں۔**"

(روزنامہ الفضل انٹرنیشنل مورخہ 26 جنوری 2024ء صفحہ 8)

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بنی نوع انسان سے محبت

از افاضات حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثانی۔ المصلح الموعود نور اللہ مرقدہ

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

”فرماتا ہے: لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ۔ (الشعراء: 4) اے محمد ﷺ رسول اللہ! یہ عظیم الشان کلام جو ہم نے تجھ پر نازل کیا ہے اسے لوگوں تک پہنچانے اور انہیں اس لازوال دولت سے متمتع کرنے کے لئے تیرے دل میں بنی نوع انسان کی ہدایت کی اتنی شدید تڑپ پائی جاتی ہے کہ شاید تو اپنی جان کو اسی غم میں ہلاک کرلے گا کہ کیوں یہ لوگ اس کتاب مبین پر ایمان نہیں لاتے جو ان کی دنیوی اور اُخروی بہبود کے لئے نازل کی گئی ہے اور جس میں ان کی تمام روحانی اور جسمانی ترقیات کے راز مضمر ہیں۔ بَخَعَ کے معنے ہوتے ہیں۔ اس طرح چھری پھیری کہ گردن کے پچھلے حصے تک پہنچ گئی۔ گویا ذبح کرنے میں مبالغہ اور سختی سے کام لیا۔

ان معنوں کو مد نظر رکھتے ہوئے اس آیت میں یہ اشارہ کیا گیا ہے کہ **رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بنی نوع انسان سے اتنی شدید محبت تھی کہ وہ ان کے غم میں اپنے آپ کو ہلاک کر رہے تھے۔** اور ان کے ہدایت نہ پانے کو اس طرح محسوس کر رہے تھے جس طرح جوش سے بھرا ہوا انسان آگے سے چھری پھیرنا شروع کرتا ہے تو گردن کے پچھلے حصہ تک کاٹ جاتا ہے۔ دنیا میں اب تک ہزاروں انبیاء گزرے ہیں۔ مگر **بنی نوع انسان کی محبت کا یہ مقام رسول کریم ﷺ کے**

سوا اور کسی کو نصیب نہیں ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی جہاں ایک طرف عقل وخرد کی بہترین مثال ہے وہاں اس کے ذریعہ جذبات کا بھی نہایت پاکیزہ طور پر ظہور ہوا ہے اور یہ جذباتی تمثال حقیقتاً اس نہایت لطیف شعر کا مصداق ہے کہ

هرگز نمیرد آنکه دلش زنده شد بعشق ثبت است برجریدۂ عالم دوام ما

(دیوان حافظ شیرازی فارسی صفحہ 8)

دنیا میں خالی عقل نے کبھی زندگی نہیں پائی۔ زندگی ہمیشہ عشق نے پائی ہے۔ جذبات نے پائی ہے۔ دنیا میں بڑے بڑے فلاسفر اور عاشق گذرے ہیں لیکن جو حکومت عشاق نے لوگوں کے دلوں پر کی وہ فلاسفروں کو حاصل نہیں ہوئی۔ انبیاء میں حقیقی عشق کی جو مثالیں ہیں انہیں نظر انداز کردو اور مجازی عشق ہی کو لے لو۔ کتنے آدمی ہیں جو ارسطو یا افلاطون کی باتوں کو جانتے ہیں یا ان کا نام بھی جانتے ہیں۔ مگر کتنے ہیں جو مجنوں اور لیلیٰ کو جانتے ہیں اور کتنے ہیں جو ان کی نقل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کوئی شہر یا قصبہ ایسا نہ ہو گا جہاں شاعر نہ ہوں اور یہ شاعر کون ہیں۔ لیلیٰ اور مجنوں کے شاگرد۔ اور ان میں سے ان شاعروں کو الگ کر کے جن کو خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں علیحدہ کر دیا ہے اور جو دین کی خدمت یا خدا تعالیٰ کو یاد کرنے کے لئے شعر لکھتے ہیں۔ باقی تمام وہی ہیں جو لیلیٰ مجنوں کی نقل کرنا چاہتے ہیں۔

اگرچہ وہ لیلیٰ اور مجنوں نہیں ہوتے لیکن تم جس وقت ان کا کلام سنو گے تو ایسا معلوم ہو گا گویا انہوں نے کبھی کھانا ہی نہیں کھایا۔ کبھی تکیہ سے سر نہیں اٹھایا کہ ساری رات ان کی آنکھیں نہ کھل رہی ہوں اور ان کی آنکھیں کبھی خشک نہیں ہوئیں۔ جگر اور دل ان کے جسم میں ہے ہی نہیں۔ مدتیں ہوئیں کچھ خون بن کر اور کچھ پانی بن کر بہہ چکا ہے اور وہ جیتا جاگتا وجود جو تمہارے سامنے بیٹھا ہو گا کئی دفعہ مرا اور دفن ہو چکا اور اس کے معشوق نے آکر اس کی قبر کو ٹھکرا دیا۔ جس کے معنے یہ ہیں کہ وہ لیلیٰ اور مجنوں کو بھی عشق میں پیچھے چھوڑنا چاہتا ہے۔

تو جتنے دلوں پر عشق نے قبضہ کیا ہے عقل نے نہیں کیا۔ مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف عقل کے میدان میں ہی اپنی برتری ثابت نہیں کی بلکہ جذبات کے میدان میں بھی وہ سب عاشقوں سے آگے بڑھ گیا حتیٰ کہ کوئی بھی عاشق عشق میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ خدا تعالیٰ کے عشق کو جانے دو کیونکہ وہ تمام لوگوں کی رسائی سے بالا ہوتا ہے۔ انسانی عشق کو لے لو۔ مجنوں کیا تھا ایک عورت کا عاشق تھا اس کا عشق باغرض تھا وہ اس سے متمتّع ہونا چاہتا تھا۔ اس کے حسن سے فائدہ اٹھانا چاہتا تھا مگر اس کے مقابلہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق جو دنیا سے تھا وہ کسی فائدہ کی غرض سے نہ

تھا۔ تمتّع کے خیال سے نہ تھا اور پھر وہ ایک دو سے نہیں دوستوں اور پیاروں سے نہیں حسینوں سے نہیں بلکہ سب سے تھا اور بدصورتوں سے اَور بھی زیادہ تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ۔(الشعراء: 4)اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم شاید تو اپنی جان کو ہلاک کر دے گا ان خوبصورتوں کے لئے نہیں جنہوں نے ابو بکرؓ اور عمرؓ کی طرح ایمان لا کر اپنے چہروں کو منور کر لیا تھا بلکہ ان بدصورت اور بھونڈی شکل کے لوگوں کے لئے جنہیں دیکھ کر گھِن آتی تھی۔ جنہیں دیکھ کر روحانی شخص کو متلی ہونے لگتی تھی جیسے عتبہ اور شیبہ اور ابو جہل وغیرہ تو ان کے عشق میں مرا جاتا تھا کہ کیوں ان کو فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ مجنوں کا عشق اس کے مقابلہ میں کیا ہے۔ اس نے اس سے محبت کی جس کی شکل اسے پسند تھی۔ لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق ان لوگوں سے بھی تھا جن کی روحانی شکل آپ کو ناپسند تھی۔ پھر اس کا عشق کسی ایک سے نہیں ساری دنیا سے وابستہ تھا۔ صرف اس زمانہ کے لوگوں سے ہی نہیں بلکہ آئندہ زمانوں سے بھی جیسا کہ فرمایا: وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ۔(الجمعہ: 4)یعنی محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) صرف اپنے زمانہ کے لوگوں کو ہی فائدہ پہنچانا نہیں چاہتا بلکہ ان لوگوں کے لئے بھی جو ابھی پیدا نہیں ہوئے اپنے دامن فیض کو ممتد کرنا چاہتا ہے۔

پس غور کرو جذباتی دنیا میں اس کا وجود کتنا عظیم الشان ہے۔ اس کے عشق کی انتہا ہی نہیں۔ وہ اپنے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت کی آگ سلگاتا ہے۔ پھر اس سے آسمانوں کی طرف پرواز کرتا ہے اور اس کی روح خدا کے آستانہ پر گر جاتی ہے اور اس کی محبت اللہ تعالیٰ کی محبت سے چنگاری لیتی ہے گویا محدود محبت غیر محدود محبت کو کھینچتی ہے اور پھر دنیا میں آتی ہے اور بعینہٖ اسی طرح جس طرح مشرق سے نکل کر آفتاب کی شعاعیں روئے زمین پر پھیلنی شروع ہو جاتی ہیں اس کی محبت بھی پھیلتی ہے۔ مشرق و مغرب، گورے اور کالے، خوبصورت اور بدصورت سب کو اپنے دامن میں سمیٹ لیتی ہے۔ پھر وہ مکان کی حدبندیوں کو توڑتی ہوئی نکل جاتی ہے اور صدیوں کے بعد صدیاں گذرتی ہیں مگر وہ محبت ختم نہیں ہوتی اور نہ ہوگی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس دنیا کی صف لپیٹ دے۔ اور بنی نوع انسان کو دنیا سے اٹھا لے۔

یوں تو ہر نیک بندے پر محبت کے ایام کبھی کبھی آتے ہیں۔ حضرت نظام الدینؒ صاحب اولیاء کے متعلق ذکر آتا ہے کہ ایک دفعہ اپنے شاگردوں کے ساتھ جا رہے تھے کہ راستہ میں ایک خوبصورت لڑکا گزرا۔ آپ نے آگے بڑھ کر اس کا منہ چوم لیا۔ اس پر شاگردوں نے بھی ایسا ہی کرنا شروع کر دیا کہ شاید اس میں جلوۂ الٰہی ہو۔ ایک شاگرد جو آپ کے خاص منظور نظر تھے انہوں نے ایسا نہ کیا۔ باقیوں نے اس پر چہ مگوئیاں شروع کر دیں۔ آگے چلے تو ایک بھٹیاری بھٹی میں آگ

جلا رہی تھی اور پتوں کی آگ کے شعلے نکل رہے تھے جو ایک خوبصورت نظارہ پیش کر رہے تھے۔ آپ کھڑے ہو کر اسے دیکھتے رہے پھر جھکے اور شعلے کو بوسہ دیا۔ اس وقت اس شاگرد نے بھی شعلہ کو چوما۔ جس نے لڑکے کو نہیں چوما تھا۔ لیکن باقی شاگرد کھڑے رہے اور کسی کو جرأت نہ ہوئی۔ اس پر انہوں نے کہا کہ تم لوگوں نے خوبصورت بچے کو چوما تھا کیونکہ چھوٹا بچہ سب کو پیارا لگتا ہے۔ حالانکہ خواجہ صاحبؒ کو اس میں خدا کا جلوہ نظر آیا تھا۔ اس لئے انہوں نے اسے چوما تھا۔ لیکن مجھے چونکہ نظر نہ آیا اس لئے میں نے نہ چوما۔ اب اس آگ میں مجھے خدا کا جلوہ نظر آیا اور میں نے اسے چوم لیا اور یہاں آپ کی اتباع کی۔ لیکن وہاں میری آنکھیں نہ کھلیں اس لئے نہ کی۔ لیکن تم نے ہوا و ہوس کے ماتحت بچہ کو چوما تھا۔ تو وقتی طور پر ہر بزرگ پر ایسا وقت آتا ہے کہ بنی نوع انسان کی محبت سے وہ لبریز ہو جاتا ہے مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت وقتی نہ تھی اور آپ کی روح اور جسم کا ایک حصہ تھی جس کا پتہ اس سے لگتا ہے کہ جب آپ کی وفات کا وقت آیا تو آپ کی زبان پر یہ الفاظ تھے۔ کہ: لَعَنَ اللّٰہُ الْیَھُوْدَ وَالنَّصَارٰی اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَاءِھِمْ مَسَاجِدَ۔ (صحیح مسلم، کتاب المساجد باب النھی عن بناء المسجد علی القبور) یعنی خدا یہود اور نصاریٰ پر لعنت کرے کہ انہوں نے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔

گویا آپ کے دل میں تڑپ تھی کہ یہود اور نصاریٰ کیوں اپنے لئے جہنم خرید رہے ہیں اور پھر اپنے ماننے والوں کو تنبیہ کی کہ وہ ایسا نہ کریں۔ گویا سکرات موت کے وقت بھی آپ کے اندر مسلمانوں اور کفار دونوں کی محبت کا جلوہ تھا۔ ایک طرف یہود اور نصاریٰ کو شرک سے بچانے کا درد تھا۔ دوسری طرف یہ درد تھا کہ یہی غلطی میرے ماننے والے بھی نہ کریں۔ غرض آپ کی ساری زندگی یہ ثابت کرتی ہے کہ آپ بنی نوع انسان کے ہر طبقہ کے لئے ہمدردی رکھتے تھے۔

احادیث میں آتا ہے کہ پہلے زمانوں میں خدا تعالیٰ کا دین قبول کرنے والوں کے سروں پر آرے رکھ کر انہیں چیر دیا جاتا تھا اور وہ اُف تک نہیں کرتے تھے۔ (صحیح بخاری، کتاب المناقب باب علامات النبوۃ فی الاسلام) لیکن محمد رسول اللہ ﷺ پر ایک سال نہیں دو سال نہیں تین سال نہیں دس سال نہیں متواتر وفات تک آرے چلتے رہے اور آپ نے اس قدر دکھ اٹھائے کہ زمین و آسمان کے خدا کو یہ کہنا پڑا کہ تو تو اس غم میں اپنے آپ کو ہلاک کر رہا ہے کہ یہ لوگ کیوں ایمان نہیں لاتے۔

عیسائی کہتے ہیں کہ مسیح نے ایک دفعہ صلیب پر چڑھ کر سب گنہگاروں کا کفارہ ادا کر دیا تھا (رومیوں باب 5 آیت 2 تا 8) مگر مسیح کو تو ساری عمر میں صرف وہی ایک واقعہ پیش آیا۔ لیکن **محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی زندگی کے ہر لمحہ**

میں لوگوں کے لئے صلیب پر چڑھے اور آپ نے ان کے لئے ہزاروں نہیں لاکھوں موتیں قبول کیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ الفاظ جو اس جگہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق استعمال کئے گئے ہیں نہ نوحؑ کے متعلق استعمال کئے گئے ہیں۔ نہ ابراہیمؑ کے متعلق استعمال کئے گئے ہیں، نہ موسیٰؑ کے متعلق استعمال کئے گئے ہیں، نہ داؤدؑ اور سلیمانؑ کے متعلق استعمال کئے گئے ہیں، نہ عیسیٰؑ کے متعلق استعمال کئے گئے ہیں، صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق استعمال کئے گئے ہیں۔ کیونکہ دنیا کی اصلاح اور ان کی ہدایت کا جو غم آپ کو تھا وہ دنیا میں اور کسی نبی کو نہیں تھا۔

چنانچہ جب ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے واقعات کو دیکھتے ہیں تو ہمیں یہ دعویٰ ایک حقیقت بن کر نظر آتا ہے اور ہمیں قدم قدم پر ایسے واقعات دکھائی دیتے ہیں جو آپ کی اس عظیم الشان محبت اور شفقت کا ثبوت ہیں جو آپ کو بنی نوع انسان سے تھی۔ چنانچہ آپ کو خدائے واحد کا پیغام پہنچانے کے لئے سالہا سال تک ایسی تکالیف میں سے گزرنا پڑا کہ جن کی کوئی حد ہی نہیں۔ ایک دفعہ خانہ کعبہ میں کفار نے آپ کے گلے میں پٹکا ڈال کر اتنا گھونٹا کہ آپ کی آنکھیں سرخ ہو کر باہر نکل پڑیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے سنا تو وہ دوڑے ہوئے آئے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس تکلیف کی حالت میں دیکھ کر آپ کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور آپ نے ان کفار کو ہٹاتے ہوئے کہا خدا کا خوف کرو۔ کیا تم ایک شخص پر اس لئے ظلم کر رہے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ خدا میرا رب ہے (صحیح بخاری، کتاب المناقب مناقب ابی بکرؓ)

ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں ایک چٹان پر بیٹھے کچھ گہری فکر میں تھے کہ اچانک ابو جہل آنکلا۔ اور اس نے آتے ہی آپ کو تھپڑ مارا اور پھر گندی سے گندی گالیاں آپ کو دینی شروع کر دیں۔ آپ نے تھپڑ بھی کھالیا اور گالیاں بھی سنتے رہے مگر آپ نے زبان سے ایک لفظ تک نہیں کہا۔ جب وہ گالیاں دے کر چلا گیا تو آپ خاموشی سے اٹھے اور اپنے گھر تشریف لے گئے۔ حضرت حمزہؓ کی ایک لونڈی اپنے گھر میں سے دروازہ میں کھڑی یہ سارا نظارہ دیکھ رہی تھی۔ حمزہؓ اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے وہ سپاہی آدمی تھے اور سارا دن شکار میں لگے رہتے تھے اور شام کے وقت اپنے گھر آتے تھے اس روز بھی وہ شام کے وقت سینہ تان کر بڑے زور زور سے پیر مارتے اور ہاتھ میں تیر کمان پکڑے اونچے بنے ہوئے گھر میں داخل ہوئے۔

وہ لونڈی گھر کی پرانی خادمہ تھی اور پرانے نوکر بھی رشتہ داروں کی طرح ہوتے ہیں۔ صبح سے وہ اپنا غصہ دبائے بیٹھی تھی جب اس نے حمزہؓ کو دیکھا تو بڑے جوش سے کہنے لگی۔ تمہیں شرم نہیں آتی تیر کمان لئے جانور مارتے پھرتے ہو۔ تمہیں پتہ ہے کہ صبح تمہارے بھتیجے کے ساتھ کیا ہوا؟ حمزہؓ نے کہا۔ کیا ہوا؟ اس نے کہا۔ میں دروازہ میں کھڑی

تھی۔ تمہارا بھتیجا سامنے پتھر پر آرام سے بیٹھا تھا اور کچھ سوچ رہا تھا کہ اتنے میں ابو جہل آیا اور اس نے پہلے تو اس کو تھپڑ مارا۔ اور پھر بے تحاشہ گالیاں دینی شروع کر دیں۔ پھر اس نے اپنے زنانہ انداز میں کہا۔ اس نے ابو جہل کو کچھ بھی تو نہیں کہا تھا۔ کوئی بات اس نے نہیں کی تھی جس کی وجہ سے ابو جہل کو غصہ آتا۔ مگر پھر بھی وہ گالیاں دیتا گیا اور دیتا گیا۔ اور تمہارا بھتیجا چپ کر کے سامنے کی طرف دیکھتا رہا۔ اور اس نے ان کا کوئی جواب نہ دیا۔ ایک عورت اور پھر خادمہ کی زبان سے یہ بات سن کر حمزہؓ کی غیرت جوش میں آئی اور خانہ کعبہ کی طرف چل پڑے۔

رؤساء مکہ کا طریق تھا کہ شام کے وقت وہ خانہ کعبہ میں بیٹھ کر اپنی بڑائیاں بیان کرتے اور لوگ ان کی تعریف کرتے۔ تمام رؤساء بیٹھے ہوئے تھے اور ابو جہل بھی ان میں موجود تھا کہ حمزہؓ گئے اور انہوں نے وہی کمان جو ان کے ہاتھ میں تھی ابو جہل کے منہ پر ماری اور کہا میں نے سنا ہے تم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مارا بھی ہے اور گالیاں بھی دی ہیں اور میں نے سنا ہے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کوئی لفظ تم کو نہیں کہا تھا جس کے بدلہ میں تم گالیاں دیتے۔ پھر حمزہؓ نے کہا تم بہادر بنے پھرتے ہو۔ اور جو چپ کر جاتا ہے اس پر ظلم اور تعدّی کرتے ہو۔ اب میں نے سارے مکہ کے سامنے تمہیں مارا ہے اگر تم میں ہمت ہے تو مجھے مار کر دیکھو۔ مکہ کے نوجوان حمزہؓ کو پکڑنے کے لئے اٹھے۔ مگر ابو جہل پر ان کا ایسا رعب طاری ہوا کہ اس نے کہا جانے دو۔ صبح مجھ سے ہی کچھ زیادتی ہو گئی تھی (السیرۃ الحلبیہ، باب استخفائہ صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ فی دار الارقم ......)

ایک دفعہ آپ خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ جب آپ سجدہ میں گئے تو بعض شریروں نے آپ کی پیٹھ پر اونٹ کی اوجھڑی لاکر رکھ دی اور چونکہ وہ بڑی بھاری تھی آپ سجدہ سے سر نہ اٹھا سکے۔ حضرت فاطمہؓ کو اس بات کا علم ہوا تو وہ روتی ہوئی آئیں۔ اور انہوں نے آپ کی پیٹھ پر سے اوجھڑی ہٹائی (صحیح بخاری، کتاب الوضوء باب اذاألقیٰ علی ظھر المصلّی قذراوجیفۃلم تفسد علیہ صلوٰتہٗ) ایک دفعہ آپ بازار سے گذر رہے تھے کہ مکہ کے اوباشوں کی ایک جماعت آپ کے گرد ہو گئی اور رستہ بھر آپ کی گردن پر یہ کہہ کر تھپڑ مارتی چلی گئی۔ کہ لوگو! یہ وہ شخص ہے جو کہتا ہے کہ میں نبی ہوں۔

آپ کے گھر میں ارد گرد کے گھروں سے متواتر پتھر پھینکے جاتے تھے۔ باورچی خانہ میں گندی چیزیں پھینکی جاتی تھیں۔ جن میں بکریوں اور اونٹوں کی انتڑیاں بھی شامل ہوتی تھیں (السیرۃ الحلبیہ، باب استخفائہ صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ فی دار الارقم) جب آپ نماز پڑھتے تو آپ کے اوپر گرد وغبار ڈالی جاتی۔ حتیٰ کہ مجبور ہو کر آپ کو چٹان میں سے نکلے ہوئے ایک پتھر کے نیچے چھپ کر نماز پڑھنی پڑتی (تاریخ الطبری جلد 2 صفحہ 343) مگر اس کے باوجود آپ خدائے

واحد کا نام بلند کرتے چلے گئے اور ان لوگوں کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعائیں بھی کرتے رہے۔

جب مکہ والوں نے دیکھا کہ ہمارے یہ مظالم بھی اس شخص کے پائے استقلال میں کوئی جنبش پیدا نہیں کر سکے تو انہوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے تمام ساتھیوں کا کلّی طور پر مقاطعہ کر دیا۔ اور انہیں شعب ابی طالب میں محصور کر دیا۔ اور فیصلہ کیا کہ کوئی شخص ان کے پاس سودا فروخت نہ کرے اور نہ ان سے لین دین کرے اور برابر تین سال تک انہوں نے آپ کا مقاطعہ جاری رکھا۔ ان ایام میں صحابہؓ کو ایسی تکلیف سے اپنے دن بسر کرنے پڑے کہ بعض دفعہ وہ درختوں کے پتے کھا کر گزارہ کرتے تھے اور بعض دفعہ انہیں کھجور کی گٹھلیاں کھانی پڑیں اور یہ سلسلہ صرف چند دن یا چند ہفتے یا چند مہینے جاری نہیں رہا بلکہ تین سال تک جاری رہا۔ تین سال کے بعد مکہ کے چند شرفاء کے دل میں اس ظلم کے خلاف بغاوت پیدا ہوئی اور انہوں نے اس معاہدہ کو توڑ کر محصورین کو باہر نکال لیا۔ مگر ان تین سالہ لمبے مظالم کا یہ نتیجہ نکلا کہ تھوڑے دنوں کے بعد ہی آپ کی وفاشعار بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو گیا کیونکہ اس لمبے مقاطعہ نے ان کی صحت پر بُرا اثر ڈالا تھا۔

ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جس مقدس خاتون کے بیسیوں غلام تھے اور جو مکہ کے مالدار اشخاص میں سے تھیں جو بیسیوں گھرانوں کو کھانا کھلا کر خود کھانا کھایا کرتی تھیں۔ بڑھاپے میں جب انہیں کئی کئی فاقے کرنے پڑے اور اگر کچھ کھانے کو ملا بھی تو درختوں کے پتے یا کھجور کی گٹھلیاں تو اس وقت ان کی صحت پر کیا اثر پڑا ہوگا۔ چنانچہ اس تکلیف کی وجہ سے ان کا انتقال ہو گیا اور پھر چند دن اور گذرے کہ حضرت ابو طالب بھی اس دنیا سے رخصت ہو گئے (السیرۃ الحلبیہ، باب اجتماع المشرکین علی منابذۃ بنی ہاشم و باب الھجرۃ الثانیۃ الی الحبشۃ و باب ذکر وفات عمّہ ابی طالب و زوجتہ خدیجۃؓ) مگر اتنے لمبے ظلم کے باوجود آپ نے شعب ابی طالب سے اپنا قدم باہر رکھتے ہی فیصلہ کیا کہ اگر مکہ کے لوگ خدا تعالیٰ کی آواز سننے کے لئے تیار نہیں تو مکہ سے باہر رہنے والوں کو مجھے خدا تعالیٰ کا پیغام پہنچانا چاہیئے شاید ان میں کوئی سعید روح ہو جو اللہ تعالیٰ کی آواز پر لبیک کہے اور اُسے قبول کر کے اس کی برکات کی وارث ہو۔

چنانچہ آپ طائف تشریف لے گئے جو مکہ سے قریباً ساٹھ میل کے فاصلہ پر ایک مشہور شہر ہے اور لوگوں کو خدائے واحد کی طرف بلایا۔ مگر بجائے اس کے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پیغام کو سنتے اور اُسے قبول کرتے انہوں نے لڑکوں کو اکسایا اور انہوں نے پتھروں سے اپنی جھولیاں بھر لیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھراؤ شروع کر دیا۔ آپ کے پاؤں پتھروں کی بوچھاڑ سے لہولہان ہو گئے اور حضرت زیدؓ بھی جو آپ کے ساتھ تھے آپ کو بچاتے ہوئے سخت زخمی

ہوئے۔ مگر وہ برابر کئی میل تک آپ کو پتھر مارتے چلے گئے۔ آپ واپس بھاگتے ہوئے کسی جگہ دم لینے کے لئے ٹھہرے تو جسم اطہر سے خون پونچھتے اور ساتھ ہی فرماتے۔ **اے میرے رب! یہ لوگ نہیں جانتے کہ میں کون ہوں تُو انہیں معاف فرما۔**

راستہ میں مکہ کے ایک سردار کا باغ تھا۔ آپ وہاں ذرا ستانے کے لئے ٹھہر گئے۔ اُس نے جب آپ کے کپڑوں کو خون سے لت پت دیکھا تو اُس کے دل میں درد پیدا ہوا اور اُس نے اپنے ایک غلام کو بلایا اور اُسے انگور کے چند خوشے دیئے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت زیدؓ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ وہ دو آدمی جو درخت کے نیچے بیٹھے ہیں۔ اُن کے پاس جاؤ۔ اور انہیں یہ انگور کھلاؤ۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت زخموں سے چُور چُور تھے اور بہت دیر تک دشمن کے آگے بھاگے آئے تھے۔ لیکن اِدھر یہ غلام آپ کے پاس پہنچا اور اُدھر آپ نے اس غلام کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ تم کہاں کے رہنے والے ہو۔ اس نے جواب دیا۔ میں نینوا کا رہنے والا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ اچھا! تم میرے بھائی یونسؑ کے وطن کے ہو۔

آپ کا یہ فقرہ سن کر اس غلام کے کان کھڑے ہوگئے کہ یہ عرب کا باشندہ ہونے کے باوجود نینوا کے رہنے والے یونسؑ کو اپنا بھائی تصور کرتا ہے۔ اس نے آپ سے پوچھا آپ کا کیا حال ہے اور لوگوں نے آپ سے ایسا سلوک کیوں کیا ہے؟ آپ نے فرمایا۔ تم تو یونسؑ کے ملک کے ہو تم جانتے ہو کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے جو مصلح دنیا میں آتے ہیں ان سے ایسا ہی سلوک کیا جاتا ہے۔ میں نے ان لوگوں کا کچھ نہیں بگاڑا۔ میں نے صرف اتنا ہی کہا تھا کہ تم ایک خدا کی طرف آؤ اور بتوں کی پرستش نہ کرو۔ اور میں تمہیں بھی یہی بات کہتا ہوں کہ تم خدا تعالیٰ کی باتوں پر عمل کرو۔ وہ غلام عیسائی تھا۔ اسے آپ کی باتیں سن کر یقین ہو گیا کہ یہ شخص خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ چنانچہ جس طرح انجیل میں حضرت مسیحؑ کے متعلق آتا ہے کہ ایک عورت آپ کے پاس آئی اور اس نے آنسوؤں سے آپ کے پاؤں دھونے شروع کر دیئے اور بالوں سے آپ کے پاؤں کی مٹی کو صاف کیا (لوقا باب 7 آیت 38) اسی طرح وہ غلام بھی آپ کے قدموں میں گر گیا اور اس نے اپنے ہاتھوں سے آپ کے پاؤں کی مٹی اور خون صاف کرنا شروع کر دیا۔ اور محبت سے آپ کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔

جب وہ واپس گیا تو باغ کے مالک نے اسے ڈانٹا کہ تم نے یہ کیا کیا۔ مگر اس کا دل کھل چکا تھا۔ اور وہ آپ پر ایمان لا چکا تھا۔ اور اب کوئی مخالفت اسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی سے علیحدہ نہیں کر سکتی تھی (السیرة الحلبیہ، ذکر خروج النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی الطائف)

بنی نوع انسان کے لئے یہ کیسی عظیم الشان تڑپ ہے جو آپ کے سینہ و دل میں پائی جاتی تھی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ

حضرت مسیح علیہ السلام کے پاس ایک عورت آئی اوراس نے کہا۔اے استاد!مجھے بھی وہ تعلیم سناجو تو اپنی قوم کو دیتا ہے۔مگر انہوں نے کہا۔میرے پاس تیرے لئے کچھ نہیں۔یہ تعلیم صرف بنی اسرائیل کے لئے ہے جو میرے بیٹے ہیں۔اور بیٹوں کی روٹی میں کتوں کے آگے کیسے پھینک سکتاہوں(متی باب15 آیت 22تا26)مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیاجو آپ کی قوم کانہ تھا۔ایسے وقت میں آیاجب آپ زخموں سے چورچُور تھے اور خون سے لت پت دور تک دشمن کے آگے آگے بھاگے چلے آئے تھے۔اورایک ایسی جگہ پر آیاجو آپ کے دشمن کی تھی۔اور ذراسی تبلیغ کرنے سے بھی ایک بڑی آفت آسکتی تھی۔وہ آتاہے اور خود بھی نہیں کہتاکہ مجھے تبلیغ کرو۔مگر اسے دیکھتے ہی آپ تبلیغ کرنا شروع کردیتے ہیں۔کیونکہ آپ کے لئے عرب اور غیر عرب برابر تھے۔آپ کے دکھ اورآپ کی تکالیف صرف عرب قوم کے لئے ہی نہیں تھیں۔بلکہ کالے گورے۔عربی،مصری،ہندوستانی سب کے لئے تھیں اورآپ اپنی ایک ایک حرکت میں اس بات کا احساس رکھتے تھے کہ لوگوں کو ہدایت میسر آجائے اوروہ خدائے واحد کے آستانہ کی طرف لوٹ آئیں۔آپ کا یہ سفر جو آپ کی قربانی اورایثار کاایک زندہ نمونہ ہے سر ولیم میور کو بھی متاثر کئے بغیر نہ رہ سکا۔اوراسے اپنی کتاب ”لائف آف محمد(ﷺ)“میں یہ الفاظ لکھنے پر مجبور ہوناپڑاکہ:

> ”محمد(صلی اللہ علیہ وسلم)کے طائف کے سفر میں ایک شاندار شجاعانہ رنگ پایاجاتاہے۔اکیلا آدمی جس کی اپنی قوم نے اس کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا اوراسے دھتکار دیاخداکے نام پر بہادری کے ساتھ نینواکے یوناہ نبی کی طرح ایک بت پرست شہر کو توبہ کی اور خدائی مشن کی دعوت دینے کے لئے نکلا۔یہ امر اس کے اس ایمان پر کہ وہ اپنے آپ کو کلّی طور پر خداکی طرف سے سمجھتا تھا ایک بہت بڑی روشنی ڈالتاہے۔“ (Life of Muhammad pg.117)

سفر طائف سے واپسی پر مکہ والوں نے پھر ایذادہی اوراستہزاء کے دروازے کھول دیئے۔مگر آپ محبت اورپیار سے مکہ والوں کو بت پرستی کے خلاف وعظ کرتے رہے۔لوگ بھاگتے تو آپ ان کے پیچھے جاتے۔وہ منہ پھیرتے تو آپ پھر بھی باتیں سناتے۔آخر ان کے متواتر مظالم کی وجہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپناوطن،وہ وطن جس میں تیرہ سال تک آپ تبلیغ ہدایت کرتے رہے تھے۔اور جس کے رہنے والوں کو آپ نے سب سے پہلے خطاب کیاتھارات کے وقت چھوڑناپڑا اورچھپتے چھپاتے آپ مدینہ پہنچے مگر دشمن نے وہاں بھی آپ کا پیچھانہ چھوڑا اور متواتر مدینہ پر حملے ہوتے رہے۔ایک سوبیس کے قریب وہ لڑائیاں ہیں جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اورآپ کے صحابہؓ کو لڑنی پڑیں اوران میں

سینکڑوں صحابہؓ اورآپ کے عزیز ترین رشتہ دار مارے گئے۔ مگر آپ نے خدائے واحد کانام بلند کرنے کے سلسلہ میں کبھی کسی مصیبت کوایک پرِ کاہ کے برابر بھی نہیں سمجھا۔

آپ صبح بھی اور شام بھی اوردن کے اوقات میں بھی اوررات کی تاریکیوں میں بھی اللہ تعالیٰ کا پیغام لوگوں کو پہنچاتے چلے گئے اوراس بارہ میں نہ آپ نے جانی قربانی سے دریغ کیا۔نہ مالی قربانی سے دریغ کیانہ جذبات اور احساسات کی قربانی سے دریغ کیااورنہ عزیزوں اوررشتہ داروں کی قربانی سے دریغ کیا۔ آپ کی دوبیٹیاں ابولہب کے دوبیٹوں سے بیاہی ہوئی تھیں اس نے دھمکی دی کہ اگر آپ توحید کی تعلیم ترک نہیں کریں گے تومیں اپنے بیٹوں سے کہہ کر آپ کی دونوں بیٹیوں کو طلاق دلوادوں گا۔ مگر آپ نے پروانہ کی اوراس بدبخت نے اپنے بیٹوں سے کہہ کر آپ کی دونوں بیٹیوں کو طلاق دلوادی۔(اسد الغابۃ رقیۃبنت رسول اللہ ﷺ) پھر ہر خطرے کے مقام پر دشمن کا اولین نشانہ صرف آپ کا وجود ہوتا تھا۔

مگر جب بھی کوئی موقعہ آیا آپ نے اس بہادری سے اس خطرے کی آگ میں اپنے آپ کو پھینکا کہ یوں معلوم ہوتا تھاکہ آپ اپنی جان کی کوئی حقیقت ہی نہیں سمجھتے تھے۔غزوۂ اُحد کے موقعہ پر ایک پتھر آپ کے خود پر آلگااوراس کے کیل آپ کے سر میں گھس گئے اورآپ بے ہوش ہوکر ان صحابہؓ کی لاشوں پر جاپڑے جو آپ کے اردگرد لڑتے ہوئے شہید ہوچکے تھے اوراس کے بعد کچھ اور صحابہؓ کی لاشیں آپ کے جسم اطہر پر جاگریں اورلوگوں نے یہ سمجھا کہ آپ مارے جاچکے ہیں۔ مگرجب آپ کو گڑھے سے نکالا گیا۔اورآپ کو ہوش آیاتو آپ نے یہ خیال ہی نہ کیاکہ دشمن نے مجھے زخمی کیاہے۔میرے دانت توڑدیئے ہیں اورمیرے عزیزوں اوررشتہ داروں اوردوستوں کوشہید کردیاہے بلکہ آپ نے ہوش میں آتے ہی دعا کی کہ:

> رَبِّ اغْفِرْ لِقَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَایَعْلَمُوْنَ (صحیح مسلم، کتاب الجھاد باب غزوۃ احد) اے میرے رب! یہ لوگ میرے مقام کو شناخت نہیں کرسکے اس لئے توان کو بخش دے اوران کے گناہوں کومعاف فرمادے۔

اسی طرح طائف میں جب آپ کو پتھروں سے لہولہان کیاگیااورآپ وہاں سے دوڑتے چلے آرہے تھے تواحادیث میں لکھاہے کہ یکدم آپ پر کشفی حالت طاری ہوئی اور پہاڑوں کا فرشتہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔اوراس نے کہاکہ اگر آپ چاہیں توطائف والوں پر ابھی ان کے پہلو کے دونوں پہاڑ اُلٹادیئے جائیں۔ مگر آپ نے فرمایا۔ ایسانہ کرنا۔ان لوگوں نے جوکچھ کیاہے جہالت اورلاعلمی کی وجہ سے کیاہے۔مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ انہی لوگوں کی نسل میں سے وہ لوگ

پیدا کرے گا جو اسلام کے خدمت گذار ہوں گے۔(صحیح بخاری کتاب بدء الخلق باب اذا قال احدکم آمین....) چنانچہ واقعات بتاتے ہیں۔ کہ باوجود اس کے کہ دشمنوں نے آپ کو مجنون بھی کہا۔ کاہن بھی کہا۔ ساحر بھی کہا کذاب بھی کہا اور ہر رنگ میں انہوں نے آپ کے مشن کو مٹانا چاہا۔ مگر آخر انہی میں سے ایسی سعید روحیں نکل آئیں جنہوں نے دلیری سے صداقت کو قبول کر لیا اور اپنی جانوں کو ہتھیلی پر رکھ کر وہ دیوانہ وار اسلام کی اشاعت کے لئے نکل کھڑے ہوئے اور تھوڑے عرصہ میں ہی انہوں نے چہار دانگ عالم کو اسلامی نور سے منور کر دیا۔

غرض لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ۔ (الشعراء: 4) میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بے مثال شفقت اور محبت کا ذکر کیا گیا ہے جو آپ کو بنی نوع انسان سے تھی اور بتایا گیا ہے کہ آپ ان کی ہدایت کے لئے رات اور دن اس قدر جدوجہد فرماتے اور اتنی دعائیں کرتے تھے کہ قریب تھا کہ آپ اس غم سے اپنے آپ کو ہلاک کر لیتے آپ کو نہ اپنے کھانے کی پرواہ تھی نہ پینے کی پرواہ تھی۔ نہ نیند اور آرام کی پرواہ تھی۔ آپ لوگوں کو ہلاکت کے گڑھوں سے بچانے اور انہیں نجات اور سلامتی کا راہ دکھانے کے لئے راتوں کو اٹھ اٹھ کر اللہ تعالیٰ کے حضور گریہ وزاری کرتے اور اتنی اتنی دیر کھڑے رہتے کہ آپ کے پاؤں متورم ہو جاتے (صحیح بخاری، کتاب التہجد باب قیام النبی اللیل) گویا جس طرح جوش کی حالت میں بعض دفعہ انسان بکرے پر چھری چلاتے ہوئے اس چھری کو گردن کے آخری حصہ تک پہنچا دیتا ہے اور قریب ہوتا ہے کہ اگر ذرا سا بھی اور زور لگ جائے۔ تو اس کی گردن کٹ کر پرے جا پڑے۔ اسی طرح محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنی جان کو ہلاک کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی۔ اور اگر آپ کی جان بچی تو اس کے یہ معنے نہیں کہ آپ نے کوئی کمی کی تھی بلکہ اس کے معنے یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی غیر معمولی حفاظت فرمائی ورنہ آپ نے اپنی جان کو ہلاک کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ امتیازی خصوصیت جو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمائی ہے اس میں مومنوں کے لئے بھی بڑا بھاری سبق ہے اور انہیں توجہ دلائی گئی ہے کہ اگر تم ترقی کرنا چاہتے ہو تو اپنی قربانیوں کو اس حد تک پہنچاؤ کہ دشمن کی نظر میں تو وہ صریح خودکشی ہو۔ مگر تم جانتے ہو کہ وہ خودکشی نہیں بلکہ اسی میں تمہاری ابدی حیات کا راز مضمر ہے۔ قرآن کریم میں جنگ اُحد کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس وقت منافق کہتے تھے کہ اگر ہمیں علم ہوتا کہ لڑائی ہوگی تو ہم ضرور ساتھ دیتے۔(آل عمران: 168) اس کے یہ معنے نہیں کہ انہیں علم نہیں تھا کہ لڑائی ہوگی بلکہ

بات یہ ہے کہ انہوں نے مشورہ دیا تھا کہ لڑائی کے لئے مدینہ سے باہر نہ نکلیں۔ اوراس پر دوروز بحث ہوتی رہی۔ پس منافق باہر نکل کر لڑنے کو خودکشی قرار دیتے تھے اور جب وہ یہ کہتے تھے کہ اگر ہمیں لڑائی کا علم ہوتا تو ہم ضرور جاتے تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ ہم تو اسے لڑائی نہیں بلکہ خودکشی سمجھتے تھے۔ اس لئے شامل نہ ہوئے۔

تو اللہ تعالیٰ اپنی مومن جماعت کے سپرد ہمیشہ ایسے کام کرتا ہے جنہیں لوگ خودکشی سمجھتے ہیں۔ ان جماعتوں سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی جانیں اپنے اموال اپنے اوقات اور اپنی عزت و آبرو غرض سب کچھ قربان کردینے کا مطالبہ کیا جاتا ہے یہاں تک کہ لوگ کہنے لگ جاتے ہیں کہ یہ پاگل ہیں جو اتنی بڑی قربانیاں کر رہے ہیں اور منافق بھی کہتے ہیں کہ یہ بیوقوف لوگ ہیں جو ہمیں بھی بیوقوف بنانا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم بھی اسی طرح قربانی کرو جس طرح ہم کر رہے ہیں۔ غرض منافق بھی اور مخالف بھی سب اسے ہلاکت سمجھتے ہیں مگر مومن جانتے ہیں کہ یہ ہلاکت نہیں بلکہ زندگی کو قائم رکھنے کا ذریعہ ہے۔

پس لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا یَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ۔ (الشعراء: 4) میں صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ایک بے مثال خصوصیت اور آپ کی شفقت علیٰ خلق اللہ کا ایک بے نظیر نمونہ ہی پیش نہیں کیا گیا بلکہ مومنوں کو یہ نصیحت بھی کی گئی ہے کہ اگر تم خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا چاہتے ہو تو اپنی قربانیوں کو اس حد تک پہنچا دو کہ دوست اور دشمن کی نگاہ میں تمہاری گردن کٹنے کے قریب پہنچ جائے اور ہر شخص یہ سمجھے کہ تم موت کے منہ میں جا رہے ہو۔ یہی وہ مقام ہے جو روحانی جماعتوں کو حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے کیونکہ اس کے بغیر انہیں ابدی حیات حاصل نہیں ہو سکتی۔"

(تفسیر کبیر، مصنفہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ، جلد 9 صفحہ 312 تا 322)

❁❁❁❁❁

اسلام کی تعلیم کا بنیادی کمال

قسط سوم و آخری:

اعتدال و حکمت کی تعلیم

اسلام کی تعلیم کا ایک بنیادی کمال اس کے احکامات میں اعتدال ہے۔(سیّد میر محمود احمد ناصر)

(98) قرآن مجید کے نہایت اعلیٰ درجہ کے اعتدال کی ایک مثال جو انسان کی طبیعت اور فطرت کے گہرے مشاہدہ سے تقویت پاتی ہے یہ ہے کہ انسان کو اگر accountability کا خطرہ نہ ہو تو انسان بڑی بے تکلفی سے گناہ پر گناہ کرتا چلا جائے گا اس کے لئے قرآن کریم میں بار بار محاسبہ کا ذکر کیا گیا ہے مگر انسان کی طبیعت پر محاسبہ کا خوف انتہائی شدّت سے مسلّط کر دیا جائے تو وہ مایوس ہو کر ہر طرح کی حدبندی کو توڑ کر گناہوں کا ارتکاب کرنے لگے گا اس لئے accountability کے انذار کے ساتھ **قرآن شریف میں انسان کو مایوسی سے بھی بچایا گیا ہے** مثلاً فرماتا ہے: قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۔(الزمر: 54) لوگوں کو کہو کہ اے میرے بندو جنہوں نے گناہ کر کے اپنی جان پر ظلم کیا ہے اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں اللہ سب گناہ بخش دیتا ہے وہ بہت بخشنے والا بار بار رحم کرنے والا ہے۔

(99) قرآن شریف نے مومنوں کو جو منکروں کے ہاتھوں دکھ اٹھا رہے ہیں صرف صبر کی تلقین نہیں فرمائی جیسا کہ فرمایا اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ۔ کہ اللہ کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا تم صبر کرو بلکہ یہ بھی فرمایا ہے وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ۔ جو تیرے گناہ لوگوں نے کئے ہیں ان کی بھی ان کے حق میں بخشش مانگتا رہ۔ فرماتا ہے ساتھ ہی یہ بھی حکم دیا کہ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ

بِالۡعَشِیِّ وَالۡاِبۡکَارِ۔(المومن: 56) اور اپنے ربّ کی شام اور صبح حمد کے ساتھ تسبیح بھی کرتے رہو۔

(100) قرآن شریف اس بات کی طرف رہ نمائی کرتا ہے کہ اگر شیطانی طاقتوں کی طرف سے کوئی تکلیف پہنچے تو فوری ردّ عمل یہ نہیں ہونا چاہیئے کہ اس کا بدلہ لیا جائے مومن کا فوری ردّ عمل یہ ہونا چاہیئے: فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰہِ ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ۔(المومن: 57) کہ اللہ سے پناہ مانگو کیونکہ وہ بہت سننے والا اور بہت دیکھنے والا ہے۔

(101) قرآن شریف یہ اشارہ بھی فرماتا ہے کہ زمین کے علاوہ اجرام سماوی میں حیوانی زندگی موجود ہے۔ فرماتا ہے: وَمِنۡ اٰیٰتِہٖ خَلۡقُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَثَّ فِیۡہِمَا مِنۡ دَآبَّۃٍ کہ آسمان وزمین کی تخلیق میں اور ان دونوں میں اللہ تعالیٰ نے چلنے پھرنے والے جاندار پیدا کئے ہیں۔ مگر کیا زمین میں اور آسمانی اجرام میں جو حیوانی زندگی ہے تو کسی وقت انکا اجتماع ہو سکتا ہے؟ اس بارہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں اس کو مشروط رکھا ہے: وَہُوَ عَلٰی جَمۡعِہِمۡ اِذَا یَشَآءُ قَدِیۡرٌ۔(الشوریٰ: 30) جب خدا تعالیٰ کی مشیت ہوگی ہو جائے گا ہاں خدا تعالیٰ خوب اس بات پر قدرت رکھتا ہے۔

(102) قرآن شریف نے اس بات کو خوب واضح فرما دیا ہے کہ کائنات میں جو حیوانات نباتات اور جمادات پر انسان کو محدود ملکیت کا حق حاصل ہے وہ حق اس لئے نہیں کہ انسان کسی رنگ میں باقی مخلوقات کو پیدا کرنے والا ہے۔ پیدا کرنے والا اور بنانے والا صرف خدا ہے جس نے انسان کو بھی پیدا کیا اور باقی تمام مخلوقات کو بھی۔

اگر انسان کو تصرّف کا حق ہے تو وہ اس ہستی کا دیا ہوا ہے جس نے انسان کو بھی پیدا کیا اور باقی سب مخلوقات کو بھی۔ ورنہ انسان کیا حق رکھتا ہے کہ وہ جانوروں کو اپنے کام پر لگائے سوائے اُس کے کہ وہ ہستی انسان کو یہ اختیار دے جس نے انسان اور حیوان دونوں کو پیدا کیا ہے۔ فرماتا ہے وَالَّذِیۡ خَلَقَ الۡاَزۡوَاجَ کُلَّہَا وَجَعَلَ لَکُمۡ مِّنَ الۡفُلۡکِ وَالۡاَنۡعَامِ مَا تَرۡکَبُوۡنَ۔ لِتَسۡتَوٗا عَلٰی ظُہُوۡرِہٖ ثُمَّ تَذۡکُرُوۡا نِعۡمَۃَ رَبِّکُمۡ اِذَا اسۡتَوَیۡتُمۡ عَلَیۡہِ وَتَقُوۡلُوۡا سُبۡحٰنَ الَّذِیۡ سَخَّرَ لَنَا ہٰذَا وَمَا کُنَّا لَہٗ مُقۡرِنِیۡنَ۔(الزخرف: 13،14) کہ اس نے تمہارے فائدہ کے لئے ہر قسم کے جوڑے پیدا کئے ہیں اور اسی طرح چوپائے پیدا کئے ہیں اور کشتیاں بنائی ہیں جن پر تم سوار ہوتے ہو جب تم اچھی طرح ان پر بیٹھ جاؤ تو پھر اپنے ربّ کی نعمت کو یاد کرو اور یہ کہو کہ پاک ہے وہ خدا جس نے ہم کو ان پر قبضہ بخشا ہے حالانکہ ہم اپنے زور سے ان کو اپنے تابع فرمان نہیں بنا سکتے تھے۔

(103) قرآن شریف نے ان لوگوں سے جو اللہ کے سوا اور وجودوں کو خدا مان کر ان کو پکارتے ہیں یہ مطالبہ فرمایا ہے کہ اَرُوۡنِیۡ مَاذَا خَلَقُوۡا مِنَ الۡاَرۡضِ۔ مجھے بتاؤ کہ جن کو تم خدا کے سوا پکارتے ہو انہوں نے زمین میں کون کون سی چیز پیدا کی ہے

اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ۔ یا ان کا آسمان کی تخلیق میں کوئی دخل ہے یا اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ۔ یا اس قرآن سے پہلے کسی کتاب کی کوئی دلیل اپنے موقف کے حق میں پیش کرو اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ۔(الاحقاف: 5) یا کوئی علمی وعقلی دلیل ہی پیش کرو پھر اس سے اگلی آیت میں ایک اور پہلو سے مطالبہ فرماتا ہے۔

(104) قرآن کریم فرماتا ہے وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ۔(الاحقاف: 6) اس سے زیادہ گمراہ اور کون ہو سکتا ہے جو اللہ کے سوا ان ہستیوں کو پکارتا ہے جو قیامت تک اس کی کوئی دعا قبول نہیں کر سکتیں بلکہ ہستیاں ان کی دعاؤں سے بالکل لاعلم ہیں (گرجوں مندروں اور بدھ مذہب کے معابد میں لوگ اینٹ پتھر چاندی سونا کی بنی ہوئی مورتیوں کے سامنے دعامانگ رہے ہوتے ہیں ان کے لئے قابل توجہ ہے)

(105) قرآن شریف موجودہ زمانہ کے مولویوں کے اس ردّعمل یا کم از کم ردّعمل کی تحریک کو ردّ فرماتا ہے جو مخالفین کے انکار پر جارحانہ حملوں سے ردّعمل دکھاتے ہیں۔ فرماتا ہے فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ۔(الاحقاف: 36) کہ تم بھی اسی طرح صبر کرو جس طرح پختہ ارادے والے رسول تم سے پہلے صبر کر چکے ہیں اور ان پر جلد عذاب آنے کی دعا بھی نہ کرو۔

(106) قرآن مجید اس بات کی تاکید فرماتا ہے کہ ایمان کے بعد مومن کا فرض ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے سامنے ادب کا روّیہ رکھے۔ اس وجہ سے بزرگان کا یہ مقولہ رہا ہے کہ اَلطَّرِيْقَةُ كُلُّهَا اَدَبٌ کہ روحانی سلوک کا تمام راستہ ادب پر مشتمل ہے۔ قرآن شریف فرماتا ہے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔(الحجرات: 2) کہ اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی بات نہ کرو یعنی ٹھیک ٹھیک احکام خدا اور احکام رسول پر چلو اور اللہ اور اس کے رسول کے مقابل میں بڑھ بڑھ کر باتیں نہ کیا کرو اور ظاہر ہے کہ ایمان کا گہرا تعلق اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے ہے اور سچی اطاعت بغیر ادب کے نہیں ہو سکتی۔

(107) قرآن مجید نے افواہوں اور بدکردار لوگوں کی لائی ہوئی خبروں کے بارہ میں بہت احتیاط کا ارشاد فرمایا ہے اور ایسی افواہوں اور بے بنیاد خبروں پر عمل کے نتیجہ میں نہایت تکلیف وہ نتائج نکل سکتے ہیں۔ فرماتا ہے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ۔(الحجرات: 7) کہ اے مومنو اگر کوئی بدکردار تمہارے پاس کوئی اہم خبر لائے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو ایسا نہ ہو کہ تم غلطی سے کسی قوم کو نقصان پہنچا دو

پھر تمہیں اپنے "کئے" پر نادم ہونا پڑے۔ ظاہر ہے کہ کسی بھی معاشرہ کے خیر وبرکت سے رہنے کے لئے یہ حکم کلیدی اور اساسی حیثیت رکھتا ہے۔

(108) قرآن مجید نے معاشرہ میں عدل وانصاف کے قیام پر غیر معمولی زور دیا ہے اور عدل وانصاف کو تقویٰ کے قریب ترین صفت قرار دیا ہے اور فرماتا ہے کہ اگر مومنوں کے دو گروہ لڑ پڑیں تو دوسرے مومنوں کو چاہیئے کہ وہ صلح کروانے کے لئے پوری طرح جدوجہد کریں۔ فرمایا وَ اِنۡ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اقۡتَتَلُوۡا فَاَصۡلِحُوۡا بَیۡنَہُمَا ۚ فَاِنۡۢ بَغَتۡ اِحۡدٰىہُمَا عَلَی الۡاُخۡرٰی فَقَاتِلُوا الَّتِیۡ تَبۡغِیۡ حَتّٰی تَفِیۡٓءَ اِلٰۤی اَمۡرِ اللّٰہِ ۚ فَاِنۡ فَآءَتۡ فَاَصۡلِحُوۡا بَیۡنَہُمَا بِالۡعَدۡلِ وَ اَقۡسِطُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الۡمُقۡسِطِیۡنَ۔(الحجرات: 10) کہ اگر مومنوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان دونوں میں صلح کروادو۔ اگر صلح ہو جانے کے بعد ان دونوں میں سے کوئی دوسرے پر چڑھائی کرے تو سب مل کر اس چڑھائی کرنے والے کے خلاف جنگ کریں یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف آجائے پھر اگر وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے تو عدل کے ساتھ ان دونوں لڑنے والوں کے مابین صلح کرادو اور انصاف کو مدّ نظر رکھو یقیناً اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

(109) قرآن مجید نے معاشرہ کے باہمی اتحاد اور محبت اور مضبوطی کے لئے کچھ بنیادی اصول سورۃ الحجرات میں بیان فرمائے ہیں۔ فرماتا ہے یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا یَسۡخَرۡ قَوۡمٌ مِّنۡ قَوۡمٍ عَسٰۤی اَنۡ یَّکُوۡنُوۡا خَیۡرًا مِّنۡہُمۡ وَ لَا نِسَآءٌ مِّنۡ نِّسَآءٍ عَسٰۤی اَنۡ یَّکُنَّ خَیۡرًا مِّنۡہُنَّ ۚ وَ لَا تَلۡمِزُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ وَ لَا تَنَابَزُوۡا بِالۡاَلۡقَابِ۔(الحجرات: 12) کہ اے مومنو کوئی قوم کسی قوم سے اسے حقیر سمجھ کر ہنسی مذاق نہ کیا کرے ممکن ہے کہ وہ ان سے اچھی ہو اور نہ کسی قوم کی عورتیں دوسری قوم کی عورتوں کو حقیر سمجھ کر ان سے ہنسی ٹھٹھا کیا کریں۔ ممکن ہے وہ دوسری عورتیں ان سے بہتر ہوں اور نہ تم ایک دوسرے پر طعن کیا کرو اور نہ ایک دوسرے کو برے ناموں سے یاد کیا کرو۔

(110) قرآن مجید نے اسی سورۃ میں اسی بارہ میں ایک اور اصول یہ بیان فرمایا ہے یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اجۡتَنِبُوۡا کَثِیۡرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعۡضَ الظَّنِّ اِثۡمٌ وَّ لَا تَجَسَّسُوۡا وَ لَا یَغۡتَبۡ بَّعۡضُکُمۡ بَعۡضًا ؕ اَیُحِبُّ اَحَدُکُمۡ اَنۡ یَّاۡکُلَ لَحۡمَ اَخِیۡہِ مَیۡتًا فَکَرِہۡتُمُوۡہُ ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ تَوَّابٌ رَّحِیۡمٌ۔(الحجرات: 13) اے ایمان والو بہت سے گمانوں سے بچتے رہا کرو کیونکہ بعض گمان گناہ بن جایا کرتے ہیں اور تجسس سے کام نہ لیا کرو۔ اور تم سے بعض بعض کی غیبت نہ کیا کریں کیا تم سے کوئی اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے پسند کرے گا اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ اللہ بہت ہی توبہ قبول کرنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

(111) قرآن مجید نے اعتدال و حکمت پر ایک نہایت کلیدی اور اہم ہدایت اس طرح فرمائی ہے یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْاؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ۔(الحجرات: 14) کہ اے لوگو ہم نے تمہیں مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو کئی گروہوں اور قبائل میں تقسیم کر دیا ہے تا کہ تمہیں ایک دوسرے کی معرفت حاصل ہو۔ اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ معزز وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔ اللہ یقیناً بہت علم رکھنے والا اور بہت خبر رکھنے والا ہے۔

(112) قرآن شریف گندہ دہن مخالفین کے بے ہودہ اعتراضات پر غلط ردّ عمل کی بجائے صبر کی تلقین کرتے ہوئے نہایت لطیف اور نہایت بلند اخلاقی سطح پر مسلمانوں کو لے جاتا ہے اور فرماتا ہے فَاصْبِرْ عَلٰى مَا یَقُوْلُوْنَ پس جو وہ کہتے ہیں اس پر صبر کر و وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ قَبْلَ الْغُرُوْبِ وَ مِنَ الَّیْلِ فَسَبِّحْهُ وَ اَدْبَارَ السُّجُوْدِ۔(ق: 40،41)اور سورج نکلنے سے پہلے اور ڈوبنے سے پہلے اپنے ربّ کی تسبیح کر اور رات کے وقت بھی اس کی تسبیح کر اور ہر عبادت کے آخر میں بھی ایسا ہی کر۔ دیکھئے شرارت کرنے والوں کے ردّ عمل کے طور پر کتنا لطیف اور نفیس ارشاد ہے۔

(113) قرآن مجید کا اصلاح معاشرہ کے لئے بنیادی حکم طاقت کا استعمال نہیں بلکہ وَّ ذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ۔(الذاریات: 56)ہے کہ نصیحت کرتے چلے جاؤ، یاددہانی کرتے چلے جاؤ کیونکہ نصیحت اور یاددہانی مومنوں کو نفع بخشا کرتی ہے۔

(114) قرآن مجید نے اصلاحِ نفس اور تربیت کے لئے جہاں دنیوی زندگی کی سرگرمیوں میں پوری طرح حصّہ لینے کی اجازت دی ہے وہاں خوب کھول کر دنیوی زندگی کے عارضی ہونے اور اخروی زندگی کے مقابلہ میں بے حقیقت ہونے کے بارہ میں بھی سمجھایا ہے فرماتا ہے اِعْلَمُوْۤا اَنَّمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ وَّ زِیْنَةٌ وَّ تَفَاخُرٌۢ بَیْنَكُمْ وَ تَكَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَ الْاَوْلَادِؕ كَمَثَلِ غَیْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ یَهِیْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ یَكُوْنُ حُطٰمًاؕ وَ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِیْدٌۙ وَّ مَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانٌؕ وَ مَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَاۤ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ۔(الحدید: 21) کہ اے لوگو جان لو کہ دنیا کی زندگی محض ایک کھیل ہے اور دل بہلاوا ہے اور زینت حاصل کرنے اور آپس میں فخر کرنے اور ایک دوسرے پر مال اور اولاد میں بڑائی جتانے کا ذریعہ ہے۔ اس کی حالت بادل سے پیدا ہونے والی کھیتی کی سی ہے جس کا آغاز میندار کو بہت پسند آتا ہے۔ اور وہ خوب لہلہاتی ہے مگر آخر تو اس کو زرد حالت میں دیکھتا ہے پھر اس کے بعد وہ گلا ہوا چورا ہو جاتی ہے اور آخرت میں ایسے

دنیاداروں کے لئے سخت عذاب مقرر ہے اور بعض کے لئے اللہ کی طرف سے مغفرت اور رضائے الٰہی مقرر ہے اور ورلی زندگی صرف ایک دھوکے کا فائدہ ہے۔

(115) قرآن مجید چونکہ تمام الہامی کتابوں میں افضل کتاب ہے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام رسولوں اور نبیوں کے سر تاج ہیں اس لئے آپ ﷺ کے ماننے والوں کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے سابقہ امتوں کے مقابلہ میں زیادہ حصہ ملا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ یُؤْتِكُمْ كِفْلَیْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَ یَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۔(الحدید: 29) کہ اے ایمان والو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ تب تم کو اللہ اپنی رحمت سے دوہرا حصّہ دے گا اور تمہارے لئے نور مقرر کر دے گا جس کی مدد سے تم چلو گے اور تمہاری مغفرت فرمائے گا اور اللہ بہت بخشنے والا بار بار رحم کرنے والا ہے۔ لِئَلَّا یَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا یَقْدِرُوْنَ عَلٰی شَیْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۔(الحدید: 30) یہ بیان اس لئے بھی ضروری ہے کہ اہل کتاب یہ نہ خیال کر بیٹھیں کہ مومنوں کو اللہ کے فضل سے کوئی خاص حصّہ نہیں ملا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کا فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ بہت بڑے فضل والا ہے۔

(116) قرآن شریف ایسے مال اور اقتصادی نظام سے منع فرماتا ہے جس میں دولت امیر طبقہ میں ہی چکر لگاتی رہے اور فرماتا ہے کہ وہ اموال جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو مومنوں کی جدوجہد اور اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالے بغیر عطا کیا ہے وہ اللہ اور اس کے رسول اور قرابت داروں اور یتامیٰ اور مساکین اور مسافر کے لئے ہے کَیْ لَا یَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْكُمْ ۔(الحشر: 8) تاوہ تم میں سے مال داروں کے درمیان چکر نہ لگاتا رہے۔

(117) قرآن شریف پر اہل مغرب کی طرف سے یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ قرآن غیر مسلموں سے بدسلوکی اور ان پر ظلم کی تعلیم دیتا ہے غالباً اس طرح اہل مغرب اپنی مذہبی کتاب کی پردہ پوشی کرنا چاہتے ہیں جو اس قسم کے احکامات سے بھری پڑی ہے قرآن کریم تو فرماتا ہے لَا یَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ وَ لَمْ یُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِیَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَ تُقْسِطُوْۤا اِلَیْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ۔(الممتحنہ: 9) اللہ تعالیٰ تمہیں ان لوگوں سے جو تم پر قاتلانہ حملے نہیں کرتے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالتے منع نہیں کرتا کہ تم ان سے اعلیٰ درجہ کا نیک سلوک کرو اور ان سے انصاف کا معاملہ کرو۔ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے اِنَّمَا یَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ

وَ اَخْرَجُوْکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ وَ ظٰهَرُوْا عَلٰۤى اِخْرَاجِکُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۔(الممتحنہ: 10) اللہ تم کو صرف ان لوگوں سے روکتا ہے جنہوں نے تم سے اپنے اختلاف کی وجہ سے جنگ کی اور جنہوں نے تم کو تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے نکالنے پر تمہارے دشمنوں کی مدد کی۔

(118) قرآن شریف نے مومنوں کو دیانت داری، سچائی اور اخلاقی برتری کی غیر معمولی تعلیم دی ہے ایک جگہ فرماتا ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ۔ کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ۔(الصف: 3،4) کہ اے مومنو تم وہ باتیں کیوں کہتے ہو جو تم کرتے نہیں۔ خدا تعالیٰ کے نزدیک اس بات کا دعویٰ کرنا جو تم کرتے نہیں بہت بڑی ناپسندیدگی کی بات ہے۔

(119) قرآن مجید کی بے شمار خوبیوں میں سے ایک خوبی یہ ہے کہ وہ لوگ جو کسی دوسری قوم کے بزرگ سمجھے جاتے ہوں اور اب ان کی قوم اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سرگرم عمل ہو تو اس کے باوجود قرآن شریف اس قوم کے بزرگوں کی عزت و تکریم کا سبق دیتا ہے مثلاً حضرت مسیح ناصریؑ کے حواریوں کا نئے عہد نامہ میں بہت برے رنگ میں ذکر کیا گیا ہے۔ (مثلاً متی باب 12 آیت 23۔ متی باب 26 آیت 56) مگر قرآن شریف ان حواریوں کا اچھے رنگ میں ذکر فرماتا ہے کہ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْۤا اَنْصَارَ اللّٰهِ کَمَا قَالَ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ لِلْحَوَارِیّٖنَ مَنْ اَنْصَارِیْۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ۔(الصف: 15) کہ اے مومنو تم اللہ کے دین کے مددگار بن جاؤ جیسا کہ عیسیٰ ابن مریم نے جب حواریوں سے کہا کہ خدا کے قریب لے جانے والے کاموں میں کون میرا مددگار ہے تو حواری بولے ہم اللہ کے دین کے مددگار ہیں۔

(120) قرآن شریف کی ایک امتیازی خوبی جو باقی تمام کتب مقدسہ سے قرآن شریف کو ممتاز کرتی ہے یہ ہے کہ ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیض روحانی صرف اس قوم تک محدود نہیں جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا روحانی فیض دائمی اور جاری ہے جیسا کہ فرماتا ہے هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَکِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَ الْحِکْمَةَ ۗ وَ اِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۔ وَّ اٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ ؕ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ۔ (الجمعہ: 3 تا 5) کہ وہی خدا ہے جس نے ایک امّی قوم کی طرف ان میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کو خدا کے احکام سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے گو وہ اس سے پہلے بڑی بھول میں تھے۔ اور انہیں میں سے دوسروں کی طرف بھی

جو ابھی ان سے نہیں ملے وہ کامل غلبہ والا اور صاحب حکمت ہے یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہے معزز کرتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

(121) قرآن شریف نے ایمان لانے والوں کی عبادت اوراپنی معیشت کے لئے کسب حلال کے اوقات میں ایک لطیف اعتدال قائم کیاہے نہ تو ہمہ وقتی رہبانیت کے ذریعہ مومن کی اوراس کے اہل وعیال کی جسمانی ضروریات کے لئے کمائی کو بند کیاہے نہ ہمہ وقت دنیامیں غرق رہنے کے ذریعہ عبادت اور روحانی جدوجہد کو نقصان پہنچایاہے بلکہ دونوں سرگرمیوں کے لئے اوقات مقرر فرمائے ہیں۔ جس کی ایک مثال یہ آیت یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَیْعَ ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ۔(الجمعہ: 10،11) کہ اے مومنو جب تم کو جمعہ کے دن نماز کے لئے بلایا جائے تو اللہ کے ذکر کے لئے جلد جاؤ اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔ اگر تم کچھ علم رکھتے ہو تو یہ تمہارے لئے اچھی بات ہے اور جب نماز ختم ہو جائے تو زمین میں پھیل جایا کرو اور اللہ کا فضل تلاش کیا کرو۔

(122) قرآن شریف ایک طرف مال کمانے اور اولاد سے تعلق رکھنے اور ان کے حقوق ادا کرنے کی تلقین فرماتا ہے تو دوسری طرف اس اعتدال کی بھی ہدایت فرماتا ہے کہ مال اور اولاد دین سے غفلت کا ذریعہ ہی نہ بن جائے فرماتا ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ۔(المنافقون: 10) کہ اے مومنو تمہیں تمہارے مال اور تمہاری اولادیں اللہ کے ذکر سے غافل نہ کر دیں اور جو ایسا کریں گے وہی گھاٹا پانے والے ہیں۔

(123) قرآن شریف نے گناہ سے بچانے کے لئے انسان کو جس طرح توجہ دلائی ہے اس کا ایک خاص انداز اس آیت میں ہے یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَیَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ۔(التغابن: 5) کہ اللہ تعالیٰ جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے اس کا علم رکھتا ہے اور جو تم چھپاتے ہو اس کا بھی اس کو علم ہے اور جو تم ظاہر کرتے ہو اس کا بھی اس کو علم ہے اور (یہی نہیں بلکہ وہ) اللہ دل کی باتوں کو خوب جانتا ہے۔ یہ ایک نہایت زبردست تکنیک ہے جو انسان کو گناہ سے بچانے کے لئے قرآن شریف میں اختیار کی گئی ہے۔

(124) قرآن شریف نے اس بات کو تسلیم فرمایاہے کہ ایک مومن کی بیوی اور اولاد اس کی دشمن (اس کے مذہب کی

وجہ سے) ہے۔ اب اس کے دو غلط ردّ عمل ہو سکتے ہیں یا تو بیوی بچوں کی محبت میں انسان بے احتیاطی کرے یا بیوی بچوں پر سختی کرے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَ اَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَ اِنْ تَعْفُوْا وَ تَصْفَحُوْا وَ تَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔(التغابن: 16) کہ اے مومنو تمہاری بیویوں اور اولادوں میں سے بعض ایسے ہیں جو تمہارے دشمن ہیں۔ پس ان سے ہوشیار اور محتاط رہو اور اگر تم عفو سے کام لو اور درگذر کرو اور معاف کرو تو اللہ بہت معاف کرنے والا اور بے انتہا رحم کرنے والا ہے۔ اس آیت میں دو انتہاؤں سے بچتے ہوئے احتیاط کو اختیار کرتے ہوئے نرمی اور عفو کی تعلیم ہے۔

(125) قرآن شریف نے سورۃ التحریم میں ایک طرف تو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حسن معاشرت کا ذکر فرمایا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کی خوشنودی کے لئے ایک جائز چیز سے کنارہ کر لیا اور خود تکلیف اٹھائی۔ دوسری طرف اس بات سے منع فرمادیا کہ خدا نے جن چیزوں کا استعمال پسند فرمایا ہے (جو صحت کے لئے بھی مفید ہیں) ان کو ترک کر دیا جائے۔ فرمایا یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔(التحریم: 2) کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تم اس چیز سے (اپنے آپ کو) کیوں محروم کرتے ہو جو اللہ نے حلال کی ہے تم اپنی بیویوں کی خوشنودی چاہتے ہو اور اللہ بہت بخشنے والا بہت رحم کرنے والا ہے۔

(126) قرآن شریف بے شک دوسری الہامی کتب کی طرح تعلیم دیتا ہے۔ مگر ساتھ ہی جو اخلاقی تعلیم پیش فرماتا ہے اس کا عملی نمونہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک میں دکھاتا ہے جیسے فرمایا وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِیْمٍ۔(القلم: 5) کہ آپ نہایت اعلیٰ درجہ کے اخلاق پر قائم ہیں۔ تعلیم کے ساتھ ساتھ ایک نہایت خوبصورت عملی نمونہ پیش فرمایا اس لئے کتب مقدسہ میں قرآن شریف کا ایک خاص امتیاز ہے۔

(127) قرآن شریف نے صداقت انبیاء کے لئے ایک ایسا معیار پیش فرمایا ہے جو ایک کلیدی ثبوت کی حیثیت رکھتا ہے۔ فرماتا ہے وَ لَوْ تَقَوَّلَ عَلَیْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِیْلِ۔ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْیَمِیْنِ۔ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِیْنَ۔ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِیْنَ۔(الحاقہ: 45تا48) کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف کوئی ایک جھوٹا الہام بھی منسوب کر دیتے تو ہم یقیناً اس کو دائیں ہاتھ سے پکڑ لیتے اور اس کی رگ جان کاٹ دیتے۔

(128) **قرآن شریف کے اعتدال کا ایک عظیم پہلو حقوق اللہ اور حقوق العباد میں اعتدال ہے۔** قرآن صرف عبادت کا

حکم نہیں دیتا اور صرف مخلوق کی ہمدردی اور خدمت کا ارشاد نہیں فرماتا بلکہ دونوں باتوں کو ساتھ ساتھ چلاتا ہے مثلاً فرماتا ہے الَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ۔ وَ الَّذِیْنَ فِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ۔ لِّلسَّآئِلِ وَ الْمَحْرُوْمِ۔(المعارج: 24 تا26) کہ صحیح مسلک پر وہ لوگ قائم ہیں جو نماز پر دوام اختیار کرتے ہیں اور جن کے اموال میں سوالیوں کا بھی حصّہ ہے اور ان کا بھی جو سوال کرنے سے محروم ہیں۔

(129) قرآن شریف بدگو مخالفین کو سزا دینے اور ان پر جارحانہ حملہ کی ہدایت نہیں کرتا بلکہ اس سے منع فرماتا ہے اور ارشاد کرتا ہے فَذَرْهُمْ یَخُوْضُوْا وَ یَلْعَبُوْا حَتّٰی یُلٰقُوْا یَوْمَهُمُ الَّذِیْ یُوْعَدُوْنَ۔(المعارج: 43) کہ پس تو ان کو چھوڑ دے کہ وہ سچائی کو گدلا کرتے رہیں۔ اور ہنسی کھیل میں مبتلا رہیں اس وقت تک کہ وہ اس دن کو دیکھ لیں جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے۔ یَوْمَ یَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا۔(المعارج: 44) جس دن وہ قبروں سے زندہ ہو کر نکلیں گے۔

(130) قرآن مجید بعض ایسے مضامین کو بھی بیان فرماتا ہے جو نزول کے وقت کے علاوہ صدیوں بعد بھی قرآنی صداقت کا ثبوت بننے والے تھے۔ مثلاً سورۃ الرحمان میں ایسی دو طاقتوں کا ذکر فرماتا ہے جو کائنات کی حدود سے باہر نکلنے کی کوشش کریں گے۔ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ۔(الرحمٰن: 34) اسی طرح ایک جگہ مخفی رہنے والے انسانوں کے ایک گروہ کا ذکر کرتا ہے جنہوں نے دور سے آکر قرآن سنا فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا۔(الجن: 2) اس آیت میں افغانستان سے آنے والے اہل کتاب کی طرف اشارہ ہے اور یہ بات بہت دیر بعد جاکر معلوم ہوئی۔

(131) قرآن مجید نے ہستی باری تعالیٰ اور صداقت انبیاء کے ثبوت کے لئے جو دلائل بیان فرمائے ہیں ان میں انبیاء کے غیب کا (جو انسانی طاقتوں سے باہر ہو) غیر معمولی علم اور ایسا علم گویا وہ اس پر غالب ہیں کی بنیادی دلیل ٹھہرائی ہے۔ مثلاً فرمایا عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖٓ اَحَدًا۔ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ۔(الجن: 27،28) کہ غیب کا جاننے والا خدا تعالیٰ ہی ہے اور وہ اپنے غیب پر کسی کو غالب نہیں کرتا سوائے ایسے رسول کے جس کو وہ اس کام کے لئے پسند کرلیتا ہے۔

(132) قرآن مجید نے بڑی سے بڑی ذمہ داری کی ادائیگی میں کامیابی کے لئے دعا اور تدبیر کو بنیادی اصول قرار دیا ہے۔ چونکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر دنیا کی سب سے بڑی ذمہ داری کا بوجھ ڈالا گیا تھا اس لئے سورۃ المزمّل میں قریباً ساری ساری رات دعا کا ارشاد ہوا اور قُمِ الَّیْلَ۔(المزمل: 3) کا حکم ہوا۔ اور سورۃ المدثر میں زبردست محنت اور جدوجہد کا قُمْ فَاَنْذِرْ۔(المدثر: 3) کا حکم ہوا۔

(133) قرآن شریف نے حقوق اللہ اور حقوق العباد کو اس طرح پیوست کر دیا ہے کہ دونوں کی ادائیگی لازم ملزوم ہے فرماتا ہے یَتَسَآءَلُوۡنَ۔ عَنِ الۡمُجۡرِمِیۡنَ۔ مَا سَلَکَکُمۡ فِیۡ سَقَرَ۔ قَالُوۡا لَمۡ نَکُ مِنَ الۡمُصَلِّیۡنَ۔ وَ لَمۡ نَکُ نُطۡعِمُ الۡمِسۡکِیۡنَ۔(المدثر: 41تا45) کہ جنتی مجرموں سے سوال کریں گے کہ کیا چیز تم کو دوزخ کی طرف لے گئی وہ جواب دیں گے ہم نماز ادا کرنے والوں میں سے نہیں ہیں اور ہم مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔

(134) قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے متن کی حفاظت اور اس کی جمع وتدوین اور تفسیر واشاعت کے لئے غیر معمولی حالات میں غیر معمولی رنگ میں پیشگوئی فرمائی ہے۔ ابتدائی مکی زندگی کے پر آشوب دور میں سورۃ قیامت نازل ہوئی۔ اس دور میں حفاظت قرآن کا کوئی ظاہری ذریعہ نہ تھا اگر کوئی ذریعہ تھا تو صرف یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیزی سے زبان مبارک کو حرکت دے کر وحی قرآن کو یاد کر لیتے۔ اس وقت یہ ارشاد ہوا لَا تُحَرِّکۡ بِہٖ لِسَانَکَ لِتَعۡجَلَ بِہٖ۔ اِنَّ عَلَیۡنَا جَمۡعَہٗ وَ قُرۡاٰنَہٗ۔ فَاِذَا قَرَاۡنٰہُ فَاتَّبِعۡ قُرۡاٰنَہٗ۔ ثُمَّ اِنَّ عَلَیۡنَا بَیَانَہٗ۔(القیامہ: 17 تا20) آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زبان کو تیزی سے اس لئے حرکت نہ دیں کہ یہ قرآن جلد یاد ہو جائے۔ (گویا حفاظت قرآن کا جو ایک ظاہری ذریعہ اس دور میں تھا اس سے بھی آپ ﷺ کو منع کر دیا گیا) اس کا جمع کرنا بھی ہمارے ذمہ ہے اور اس کو دنیا کے سامنے سنانا بھی ہمارے ذمہ ہے۔ پس جب ہم اسے پڑھ لیا کریں تو ہمارے پڑھنے کے بعد آپ بھی اسے پڑھ لیا کریں پھر اس کی تشریح و تفسیر بھی ہمارے ذمّہ ہے۔

(135) قرآنی شریعت کی اخلاقی تعلیم کا بلند معیار اس آیت سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وَیۡلٌ لِّلۡمُطَفِّفِیۡنَ۔ الَّذِیۡنَ اِذَا اکۡتَالُوۡا عَلَی النَّاسِ یَسۡتَوۡفُوۡنَ۔ وَ اِذَا کَالُوۡہُمۡ اَوۡ وَّزَنُوۡہُمۡ یُخۡسِرُوۡنَ۔ اَلَا یَظُنُّ اُولٰٓئِکَ اَنَّہُمۡ مَّبۡعُوۡثُوۡنَ۔ لِیَوۡمٍ عَظِیۡمٍ۔ یَّوۡمَ یَقُوۡمُ النَّاسُ لِرَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ۔(المطففین: 2 تا7) کہ سوداسلف میں وزن کم کر کے دینے والوں کے لئے عذاب ہی عذاب ہے ان کے لئے جو تول کر لیتے ہیں تو خوب پورا کر کے لیتے ہیں اور جب کوئی چیز دوسروں کو تول کر دیتے ہیں تو پھر وزن میں کمی کر دیتے ہیں۔ کیا یہ لوگ یقین نہیں کرتے کہ وہ اس عظیم الشان وقت کا فیصلہ دیکھنے کے لئے زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے جس وقت تمام لوگ سب جہانوں کے ربّ کے سامنے کھڑے ہوں گے۔

(136) قرآن مجید اپنے کمال کا اس رنگ میں بھی اظہار فرماتا ہے کہ یہ بزرگ کلام ہے ہر قسم کے عیب اور کمزوری سے بزرگ تر ہے جیسے فرمایا بَلۡ ہُوَ قُرۡاٰنٌ مَّجِیۡدٌ مگر بعض دفعہ یہ بھی ہوتا ہے کہ اچھے سے اچھا کلام ضائع ہو جاتا ہے، اس میں

تحریف ہو جاتی ہے مگر قرآن میں مزید کمال یہ ہے فِیۡ لَوۡحٍ مَّحۡفُوۡظٍ۔(البروج: 22،23) کہ وہ لوح محفوظ میں ہے۔

(137) قرآن شریف کے پیغام کو دنیا میں پھیلانے کے لئے تین بنیادی شرائط پیش فرماتا ہے:

اوّل یہ کہ پیغام پہنچانے والے کو خود اس صداقت پر پورا یقین ہو اور اس کی عملی حالت اس صداقت کے مطابق ہو جیسے فرمایا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔

دوسری شرط یہ پیش کی کہ جو پیغام دنیا کو دے وہ سراسر سچائی ہو صداقت سے بھرپور ہو۔ فرمایا تَوَاصَوۡا بِالۡحَقِّ۔

تیسری شرط یہ پیش کی کہ صداقت کو پھیلانے اور اپنے پیغام کو دنیا میں پہنچانے کے لئے تمام مشکلات اور مخالفتوں پر صبر اور استقلال سے قائم رہیں فرمایا وَ تَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ۔(العصر : 4)

(138) **قرآن شریف کی ایک امتیازی خوبی یہ ہے** کہ اس کے **اساسی اور بنیادی مضمون یعنی توحید باری تعالیٰ** کو سارے قرآن میں متعدد جگہ اور متعدد رنگ میں بیان کرنے کے علاوہ قرآن مجید کے اختتام پر سورۃ اخلاص میں نہایت اختصار مگر نہایت جامعیت کے ساتھ بیان فرمادیا ہے گویا سارے قرآن کا خلاصہ ایک دفعہ شروع میں سورۃ فاتحہ کی سات آیات میں بیان فرمایا ہے اور ایک دفعہ قریباً آخر میں سارے قرآن کا خلاصہ 3 آیات میں بیان فرمادیا ہے اور خدا تعالیٰ کو ہر قسم کی شراکت سے پاک قرار دیا ہے۔

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام فرماتے ہیں:

”فرمایا: قُلۡ ہُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ ۚ﴿۱﴾ اَللّٰہُ الصَّمَدُ ۔ ۔ ۔ الخ اس اقل عبارت کو جو بقدر ایک سطر بھی نہیں دیکھنا چاہیئے کہ کس لطافت اور عمدگی سے ہر یک قسم کی شراکت سے وجود حضرت باری کا منزہ ہونا بیان فرمایا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ شرکت ازروئے حصر عقلی چار قسم پر ہے کبھی شرکت عدد میں ہوتی ہے اور کبھی مرتبہ میں اور کبھی نسب میں اور کبھی فعل میں اور تاثیر میں۔

سو اس سورۃ میں ان چاروں قسموں کی شرکت سے خدا کا پاک ہونا بیان فرمایا اور کھول کر بتلا دیا کہ وہ اپنے عدد میں ایک ہے دو یا تین نہیں اور وہ الصَّمَدُ ہے یعنی اپنے مرتبہ وجوب اور محتاج الیہ ہونے میں منفرد اور یگانہ ہے اور بجز اس کے تمام

چیزیں ممکن الوجود اور ہالک الذات ہیں جو اس کی طرف ہر دم محتاج ہیں اور وہ لَمۡ یَلِدۡ ہے یعنی اس کا کوئی بیٹا نہیں تا بوجہ بیٹا ہونے کے اس کا شریک ٹھہر جائے اور وہ لَمۡ یُوۡلَدۡ ہے یعنی اس کا کوئی باپ نہیں تا بوجہ باپ ہونے کے اس کا کوئی شریک بن جائے۔

اور وہ لَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ کُفُوًا ہے یعنی اس کے کاموں میں کوئی اس سے برابری کرنے والا نہیں تا باعتبار فعل کے اس کا شریک قرار پاوے۔ سو اس طور سے ظاہر فرمادیا کہ خدائے تعالیٰ چاروں قسم کی شرکت سے پاک اور منزہ ہے اور وحدہ لاشریک ہے۔"(براہین احمدیہ روحانی خزائن جلد1 صفحہ518 حاشیہ)

(139) قرآن شریف کی اس زبردست خوبی کے بعد کہ اس میں اس کے بنیادی مضمون کو آخر میں بڑی جامعیت کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔ آخر میں دعا ہے جس میں ہر قسم کے شرور سے پناہ مانگی گئی ہے۔ شرور دو قسم کے ہو سکتے ہیں ایک خارجی اور ایک ذاتی سورۃ الفلق میں ہر طرح کے خارجی شرور سے پناہ مانگی گئی ہے اور سورۃ الناس میں ہر طرح کے ذاتی اور باطنی شرور سے پناہ مانگی ہے۔

وَاٰخِرُ دَعۡوَانَاۤ اَنِ الۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ

❁❁❁❁❁

تعارف کتاب ''پرانی تحریریں''

وہ خزائن جو ہزاروں سال سے مدفون تھے

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''سب دوستوں کے واسطے ضروری ہے کہ ہماری کتب کم از کم ایک دفعہ ضرور پڑھ لیا کریں، کیونکہ علم ایک طاقت ہے اور طاقت سے شجاعت پیدا ہوتی ہے۔''

(''ملفوظات'' حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جلد7 صفحہ224 ایڈیشن 2022ء)

پرانی تحریریں

(اے۔ ولیم)

تعارف:

یہ حضرت اقدس علیہ السلام کی کوئی الگ سے باقاعدہ تصنیف نہیں ہے۔ بلکہ براہین احمدیہ کی اشاعت سے پہلے کچھ مضامین ہیں جو مختلف اخبارات میں شائع ہوئے جن کا زمانہ 1877ء تا 1879ء ہے۔ اور یہ مضامین حضرت شیخ یعقوب علی عرفانی صاحبؓ نے 30 مئی 1899ء کو ''پرانی تحریریں'' کے عنوان سے کتابی صورت میں شائع کئے تھے۔ جواب روحانی خزائن جلد2 صفحہ 3 تا 46 پر موجود ہیں۔ جس میں بعد میں مزید 4 صفحات کا اضافہ کیا گیا ہے۔

ان میں اس وقت کے معروف ہندو سکالرز کے ساتھ مختلف عقائد پر تحریری بحث ہے۔

سب سے پہلے پنڈت کھڑک سنگھ صاحب ہیں اور دوسرے نمبر پر پنڈت شیو نرائن اگنی ہوتری صاحب ہیں اور پھر اب کچھ عرصہ ہوا منشی گردیال صاحب مدرس مڈل سکول چنیوٹ کا ایک مضمون جو انہیں دنوں یعنی 1878ء میں شائع ہوا تھا اس کے کچھ صفحات دستیاب ہوئے تو حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی اجازت سے شامل اشاعت کئے گئے ہیں۔

ان مضامین کا ایک پس منظر یہ ہے کہ حضرت اقدس علیہ السلام نے 1878ء میں تناسخ اور ارواح کے قدیم اور بے انت وغیرہ ہونے کی تردید میں 500روپے انعام کے ساتھ ایک اشتہار واعلان شائع فرمایا تھا۔ جس کے پہلے مخاطب تو اس وقت کے مشہور ومعروف ہندو رہنما اور آریہ سماج کے بانی پنڈت دیانند سرسوتی صاحب تھے۔ لیکن انہیں حضرت اقدس علیہ السلام کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ وہ ''**اعلان**'' یہ تھا:

''سوامی دیانند سرسوتی صاحب نے بجواب ہماری اس بحث کے جو ہم نے روحوں کا بے انت ہونا باطل کرکے غلط ہونا مسئلہ تناسخ اور قدامت سلسلہ دنیا ثابت کیا تھا۔ **معرفت تین کس آریہ سماج والوں کے یہ پیغام بھیجا ہے کہ اگرچہ ارواح حقیقت میں بے انت نہیں ہیں۔** لیکن تناسخ اس طرح پر ہمیشہ بنا رہتا ہے کہ جب سب ارواح مکتی پاجاتے ہیں تو پھر بوقت ضرورت مکتی سے باہر نکالی جاتی ہیں۔ اب سوامی صاحب فرماتے ہیں کہ اگر ہمارے اس جواب میں کچھ شک وشبہ ہو تو بالمواجہ بحث کرنی چاہیئے۔

چنانچہ اسی بارے میں سوامی صاحب کا ایک خط بھی آیا۔ اس خط میں بھی بحث کا شوق ظاہر کرتے ہیں۔ اس واسطے بذریعہ اس اعلان کے عرض کیا جاتا ہے کہ بحث بالمواجہ ہم کو بسر وچشم منظور ہے۔ کاش سوامی صاحب کسی طرح ہمارے سوالوں کا جواب دیں۔ مناسب ہے کہ سوامی صاحب کوئی مقام ثالث بالخیر کا واسطے انعقاد اس جلسہ کے تجویز کرکے بذریعہ کسی مشہور اخبار کے تاریخ ومقام کو مشتہر کردیں۔ لیکن اس جلسہ میں شرط یہ ہے کہ یہ جلسہ بحاضری چند منصفان صاحب لیاقت اعلیٰ کے تین صاحب ان میں سے ممبران برہمو سماج اور تین صاحب مسیحی مذہب ہوں گے قرار پائے گا۔ اوّل تقریر کرنے کا ہمارا حق ہو گا کیونکہ ہم معترض ہیں۔ پھر پنڈت صاحب برعایت شرائط تہذیب جو چاہیں گے جواب دیں گے۔ پھر اس کا جواب الجواب ہماری طرف سے گزارش ہو گا۔ اور بحث ختم ہوجائے گی۔

ہم سوامی صاحب کی اس درخواست سے بہت خوش ہوئے۔ ہم تو پہلے ہی کہتے تھے کہ کیوں سوامی صاحب اور اور دھندوں میں لگے ہوئے ہیں۔ اور ایسے سخت اعتراض کا جواب نہیں دیتے۔ جس نے سب آریہ سماج والوں کا دم بند کر رکھا ہے۔ اب اگر سوامی صاحب نے اس اعلان کا کوئی جواب مشتہر نہ کیا۔ تو بس یہ سمجھو کہ سوامی صاحب صرف باتیں کرکے اپنے توابعین کے آنسو پوچھتے تھے اور مکت یابوں کی واپسی میں جو جو مفاسد ہیں۔ مضمون مشمولہ متعلقہ اس اعلان میں درج ہیں۔ ناظریں پڑھیں اور انصاف فرماویں۔''

المعلن مرزا غلام احمد رئیس قادیان 10 جون 1878ء

”پنڈت دیانند صاحب نے باوجودیکہ خود مباحثہ کا پیغام دیا تھا۔ مگر جب حضرت مسیح موعودؑ کی طرف سے آمادگی کا اعلان ہوا۔ اور آپؑ نے انعامی اشتہار دے دیا۔ تو پھر پنڈت دیانند صاحب کو جرأت نہیں ہوئی کہ وہ حضرت مسیح موعودؑ کے ساتھ مباحثہ کرتے۔“

(حیات احمدؑ جلد 1 حصہ دوم، صفحہ 185، 186 مرتبہ یعقوب علی عرفانی، نظارت اشاعت ربوہ 2013)

(مکتوبات احمد جلد 1 صفحہ 49، 50، مکتوب نمبر 8 بنام پنڈت دیانند سرستی مرتبہ شیخ یعقوب علی عرفانی، ایڈیشن دوم نظارت اشاعت ربوہ 2008ء)

البتہ اس دوران باوانرائن سنگھ جو کہ آریہ سماج امرتسر کے سیکرٹری تھے انہوں نے وِدّیا پرکاشک ماہوار رسالہ بھی جاری کیا تھا۔ انہوں نے اخبار آفتاب پنجاب میں حضور علیہ السلام سے بحث کی طرح ڈالی۔ (اس کی مزید تفصیلات کے لئے حیات احمد جلد 1 صفحہ 187 تا 205، مجموعہ اشتہارات جلد 1 صفحہ 7 تا 12، مکتوبات احمدؑ جلد 1 صفحہ 34 تا 48، روحانی خزائن جلد 2 صفحہ 34 تا 46 دیکھی جاسکتی ہیں۔)

اور **چنیوٹ مڈل سکول کے مدرس منشی گوردیال صاحب** نے اخبار آفتاب 16 مئی 1878ء میں اسی موضوع پر بحث اٹھاتے ہوئے ایک مضمون لکھا جس کا جواب حضورؑ نے دیا (جو کہ حیات احمدؑ جلد اول صفحہ 206 تا 211 پر درج ہے۔ اور جس کا ایک حصہ اب نئے شائع ہونے والے روحانی خزائن کے ایڈیشن کی جلد 3 ص 46 الف تا 46 د پر بھی موجود ہے)

پنڈت کھڑک سنگھ صاحب کے ساتھ مباحثہ:

بار بار کی ہزیمت اور شرمندگی سے تنگ آکر قادیان کے ہندوؤں نے ایک پرجوش آریہ سماجی لیڈر پنڈت کھڑک سنگھ صاحب کو حضرت اقدسؑ سے مباحثہ کے لئے قادیان بلایا۔ یہ پنڈت اودوکی کے رہنے والے تھے۔ مباحثہ کے لئے بڈھن شاہ کا تکیہ مقرر ہوا جو سرکاری پرائمری سکول کے پاس ہے۔ (موجودہ محل وقوع کی مناسبت سے کہا جاسکتا ہے کہ نور ہسپتال کے پاس۔ ایڈیٹر) اس مباحثہ میں بھی پنڈت کھڑک سنگھ صاحب کو ایسی شکست ہوئی کہ آریہ سماج کو شکست کا یہ صدمہ اور دھکا کبھی بھولنا نہیں چاہیئے۔ کیونکہ یہ پنڈت صاحب خود آریہ تعلیم و عقائد سے متزلزل ہوگئے اور بعد میں آریہ سماج چھوڑ کر عیسائیت اختیار کرلی اور پھر آریہ سماج کے خلاف لیکچر دینے لگے۔

حضرت اقدسؑ نے ایک جگہ اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھا:

”اس وقت مجھے ایک اور پنڈت صاحب بھی یاد آگئے جن کا نام کھڑک سنگھ ہے۔ یہ صاحب ویدوں کی حمایت میں بحث کرنے کے لئے قادیان میں آئے اور قادیان کے آریوں نے بہت شور مچایا کہ ہمارا پنڈت ایسا عالم فاضل ہے کہ چاروں وید اسے کنٹھ ہیں۔ پھر جب بحث شروع ہوئی تو پنڈت صاحب کا ایسا براحال ہوا کہ ناگفتہ بہ، اور سب تعریفیں

وید کی بھول گئے۔ دنیا طلبی کی وجہ سے اسلام تو قبول نہ کیا مگر قادیان سے جاتے ہی وید کو سلام کر کے اصطباغ لے لیا۔اور اپنے لیکچر میں جو ریاض ہند اور چشمہ نور امرتسر میں انہوں نے چھپوایا ہے صاف صاف یہ عبارت لکھی کہ وید علوم الٰہی اور راستی سے بے نصیب ہیں۔اس لئے وہ خدا کا کلام نہیں ہوسکتے۔ اور آریوں کا ویدوں کے علم اور فلسفہ اور قدامت کے بارے میں ایک باطل خیال ہے۔اس نازک بنیاد پر وہ حال اور ابد کے لئے اپنی امیدوں کی عمارت اٹھاتے ہیں۔ اور اس ٹمٹماتی ہوئی روشنی کے ساتھ زندگی اور موت پر خوش ہیں۔''(شحنۂ حق،روحانی خزائن جلد2صفحہ360)

حضرت شیخ یعقوب علی عرفانی صاحبؓ نے بھی یہ اقتباس اسی ضمن میں حیات احمدؑ میں درج کیا ہے اور اس کو درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

''حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ تحریر پنڈت کھڑک سنگھ کی زندگی میں شائع ہوئی۔اور آریوں نے ہمیشہ اسے پڑھا،مگر نہ تو قادیان کے کسی آریہ کو اور نہ خود پنڈت کھڑک سنگھ صاحب کو حوصلہ ہوا کہ اس کی تردید کریں۔'' (حیات احمدؑ جلد1 حصہ سوم، صفحہ353 مرتبہ یعقوب علی عرفانی، نظارت اشاعت ربوہ2013)

حضرت اقدسؑ کا طریق بحث بہت اصولی ہوا کرتا تھا اور اصول پر گرفت بہت مضبوط ہوا کرتی تھی اور یہی وجہ ہے کہ اسلام کے مخالفین میں سے کوئی بھی بڑے سے بڑا پادری یا پنڈت حضورؑ کے سامنے اوّل تو آتا ہی نہیں تھا اور اگر آجاتا تو بہت بری طرح شکست سے دوچار ہوتا۔ ہاں آپؑ سے بحث کرنے والوں میں سے آفرین ہے ان مدمقابل لوگوں کی کہ جو بڑی ڈھٹائی اور چالاکی سے آئیں بائیں شائیں کر کے مباحثہ میں سے راہ فرار اختیار کرنے میں کامیاب ہو جاتے۔ جس کی نمایاں مثال محمد حسین بٹالوی صاحب اور مولوی نذیر حسین دہلوی صاحب ہیں۔ بہر حال پنڈت کھڑک سنگھ نے جو مباحثہ کیا اس نے حضرت اقدسؑ کے طرز استدلال اور طرز مباحثہ کی بابت جو کمنٹس دیئے وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں اور امر واقعہ کا اظہار ہے۔ انہوں نے ایک مرتبہ بیان کیا کہ ''**ہر شخص کا کام نہیں ہے کہ مرزا صاحب سے مباحثہ کرے۔ان کی گرفت بڑی سخت ہوتی ہے۔**''

(حیات احمدؑ جلد1 حصہ سوم، صفحہ354 مرتبہ یعقوب علی عرفانی، نظارت اشاعت ربوہ2013)

پنڈت کھڑک سنگھ کے اس مباحثہ کی تفصیل ''پرانی تحریریں'' کے نام سے روحانی خزائن جلد2 صفحہ 3 تا19 پر ملاحظہ کی جاسکتی ہے، نیز حیات احمدؑ جلد1 صفحہ 375 تا381 میں بھی دیکھی جاسکتی ہے۔

پنڈت کھڑک سنگھ صاحب کون تھے:

کتاب ''The Missions''میں مصنف نے پنڈت کھڑک سنگھ صاحب کا اپنا خود بیان کردہ تعارف شامل کیا ہے

جو انہوں نے عیسائی ہونے کے بعد بیان کیا۔ اس میں سے مختصر طور پر یہاں بیان کر دیتا ہوں۔ پنڈت صاحب لکھتے ہیں کہ:

My father's name was Bahadur Singh, who was the "Ala," or chief "Lambardar" (head-man) of Uddoke.[1]

مفہوماً ترجمہ: میرے والد کا نام بہادر سنگھ تھا اور وہ اودو کی کے نمبر دار تھے۔

اس کے بعد پنڈت صاحب لکھتے ہیں کہ:

When I was a boy I lived chiefly at Kulloki in the Hoshiarpur district…… there I met with a Hindu Fakir, and through his influence I left the Sikh religion, when I was eleven years old, and became a Hindu Sadhu, or fakir, taking the Hindu name of Narain Das[2].

مفہوماً ترجمہ: جب میں ابھی لڑکا ہی تھا تو میں کلو کی ضلع ہوشیار پور میں رہتا تھا۔ وہاں میں ایک ہندو فقیر سے ملا اور اس سے متأثر ہو کر میں نے سکھ مذہب کو چھوڑ دیا اور ہندو سادھو بن گیا، اس وقت میری عمر گیارہ سال تھی۔ اور میں نے اپنا نام (نرائن سنگھ کی جگہ) نرائن داس رکھ لیا۔

مزید لکھتے ہیں کہ:

I was baptized by Mr.Clark in Amritsar, on the 1st March 1874, when I was fifty two years old[3].

مفہوماً ترجمہ: میں نے یکم مارچ 1874ء کو مسٹر کلارک کے ذریعہ امرتسر میں بپتسمہ لیا تھا۔ اس وقت میری عمر باون سال تھی۔

پنڈت صاحب اگرچہ عیسائی ہو گئے تھے مگر ایک بار پھر وہ پنڈت سوامی دیانند صاحب کے ساتھ ملے اور آریہ دھرم قبول کر لیا۔ چنانچہ پنڈت کھڑک سنگھ صاحب لکھتے ہیں کہ:

I again met with Swami Dayanand Saraswati, the founder of the Arya Samaj…… I began again to lecture on the Vedas…… the Christians had now left me. They no longer looked on me as a Christian .[4]

---

[1] The Missions by Rev.Robert Clark p. 86 London: 1904
[2] Ibid: p. 87
[3] Ibid: p. 91
[4] Ibid: p. 92,93

مفہوماً ترجمہ: میں ایک بار پھر سوامی دیانند سرسوتی سے جو کہ آریہ سماج کے بانی ہیں سے ملا۔ اور میں نے دوبارہ ویدوں کے لیکچر دینے شروع کر دیئے۔ عیسائی مجھے بالکل چھوڑ چکے تھے۔ اور وہ مجھے اب عیسائی نہیں سمجھتے تھے۔

مگر ایک مرتبہ پھر پنڈت کھڑک سنگھ عیسائیت کو اختیار کرلیتے ہیں، اور سوامی دیانند اور ویدوں کے خلاف ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ:

I had before found out that he was an untrue guide…… He tried to make the ancient Vedas agree with the science of modern times.[1]

مفہوماً ترجمہ: میں نے سوامی دیانند کو ایک جھوٹا راہنما پایا۔ وہ کوشش کرتے تھے کہ قدیم ویدوں اور جدید سائنس میں کوئی مطابقت پیدا کر سکیں۔

پنڈت کھڑک سنگھ صاحب نے عیسائی ہونے کے بعد اپنی زندگی انجیل کی تبلیغ و اشاعت کے لیے وقف کر دی۔ دی مشنز کا مصنف اس بارہ میں لکھتا ہے کہ:

From that time until his death, on 5th February 1900, he lived to make the Gospel of Jesus Christ known, as far as possible, to everyone everywhere, from Kashmir and Peshawar to Karachi, on the one side of India and to Benares on the others; He travelled everywhere to hold meetings and discussions and delivered addresses as a teacher of the Gospel of Christ.[2]

مفہوماً ترجمہ: پنڈت کھڑک سنگھ نے عیسائی ہونے سے لے کر اپنی وفات یعنی 5 فروری 1900ء تک جس قدر ممکن تھا کشمیر اور پشاور سے کراچی تک اور بنارس تک یعنی ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک، ہر ایک تک اور ہر جگہ یسوع مسیح کی انجیل کو متعارف کروانے کی کوشش کی۔ اس نے انجیل کے ایک استاد کے طور پر مختلف جگہوں کے سفر بھی اختیار کیے اور کئی اجلاسات کر کے ان میں خطابات بھی کیے۔

پنڈت صاحب سے جو تحریری بحث ہوئی اور جو ''پرانی تحریریں'' کتاب میں شامل ہے اس کے آغاز میں حضرت اقدس علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:

''ناظرین انصاف آئین کی خدمت بابرکت میں واضح ہو کہ باعث مشتہر کرنے اس اعلان کا یہ ہے کہ عرصہ چند روز کا ہوا ہے کہ پنڈت کھڑک سنگھ صاحب ممبر آریہ سماج امرتسر قادیاں میں تشریف لائے اور مستدعی بحث کے ہوئے۔

---

[1] The Missions by Rev.Robert Clark p.93 London: 1904
[2] Ibid: p. 96

چنانچہ حسب خواہش ان کے دربارہ تناسخ اور مقابلہ وید اور قرآن کے گفتگو کرنا قرار پایا۔ برطبق اس کے ہم نے ایک مضمون جو اس اعلان کے بعد میں تحریر ہوگا ابطال تناسخ میں اس التزام سے مرتب کیا کہ تمام دلائل اس کے قرآن مجید سے لئے گئے اور کوئی بھی ایسی دلیل نہ لکھی کہ جس کا ماخذ اور منشاء قرآن مجید نہ ہو اور پھر مضمون جلسہ عام میں پنڈت صاحب کی خدمت میں پیش کیا گیا تاکہ پنڈت صاحب بھی حسب قاعدہ ملتزمہ ہمارے کے اثبات تناسخ میں وید کی شرتیاں پیش کریں اور اس طور سے مسئلہ تناسخ کا فیصلہ پا جائے۔ اور وید اور قرآن کی حقیقت بھی ظاہر ہو جائے کہ ان میں سے کون غالب اور کون مغلوب ہے۔

اس پر پنڈت صاحب نے بعد سماعت تمام مضمون کے دلائل وید کے پیش کرنے سے عجز مطلق ظاہر کیا اور صرف دو شرتیاں رگ وید سے پیش کیں کہ جن میں ان کے زعم میں تناسخ کا ذکر تھا۔ اور اپنی طاقت سے بھی کوئی دلیل پیش کردہ ہماری کو رد نہ کر سکے حالانکہ ان پر واجب تھا کہ بمقابلہ دلائل فرقانی کے اپنے وید کا بھی کچھ فلسفہ ہم کو دکھلاتے اور اس دعوٰے کو جو پنڈت دیانند صاحب مدت دراز سے کر رہے ہیں کہ وید سرچشمہ تمام علوم فنون کا ہے ثابت کرتے لیکن افسوس کہ کچھ بھی نہ بول سکے اور دم بخود رہ گئے اور عاجز اور لاچار ہو کر اپنے گاؤں کی طرف سدھار گئے۔ گاؤں میں جا کر پھر ایک مضمون بھیجا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو ابھی بحث کرنے کا شوق باقی ہے اور مسئلہ تناسخ میں مقابلہ وید اور قرآن کا بذریعہ کسی اخبار کے چاہتے ہیں۔ سو بہت خوب ہم پہلے ہی تیار ہیں۔

مضمون ابطال تناسخ جس کو ہم جلسہ عام میں گوش گزار پنڈت صاحب موصوف کر چکے ہیں۔ وہ تمام مضمون دلائل اور براہین قرآن مجید سے لکھا گیا ہے اور جابجا آیات فرقانی کا حوالہ ہے۔ پنڈت صاحب پر لازم ہے کہ مضمون اپنا جو دلائل بید سے بمقابلہ مضمون ہمارے کے مرتب کیا ہو پرچہ سفیر ہند یا برادر ہند یا آریہ درپن میں طبع کراویں۔ پھر آپ ہی دانا لوگ دیکھ لیں گے اور بہتر ہے کہ ثالث اور منصف اس مباحثہ تنقیح فضیلت وید اور قرآن میں دو شریف اور فاضل آدمی مسیحی مذہب اور برہمو سماج سے جو فریقین کے مذہب سے بے تعلق ہیں مقرر کئے جائیں۔ سو میری دانست میں ایک جناب پادری رجب علی صاحب جو خوب محقق مدقق ہیں اور دوسرے جناب پنڈت شیو نارائن صاحب جو برہمو سماج میں اہل علم اور صاحب نظر دقیق ہیں۔ فیصلہ اس امر متنازعہ فیہ میں حکم بننے کے لئے بہت اولٰی اور انسب ہیں۔ اس طور سے بحث کرنے میں حقیقت میں چار فائدے ہیں۔

اوّل یہ کہ بحث تناسخ کی بہ تحقیق تمام فیصلہ پا جائے گی۔

دوم اس موازنہ اور مقابلہ سے امتحان وید اور قرآن کا بخوبی ہو جائے گا۔ اور بعد مقابلہ کے جو فرق اہل انصاف کی

نظر میں ظاہر ہو گا وہی فرق قول فیصل متصور ہو گا۔

سوم یہ فائدہ کہ اس التزام سے ناواقف لوگوں کو عقائد مندرجہ وید اور قرآن سے بکلی اطلاع ہو جائے گی۔

چہارم یہ فائدہ کہ یہ بحث تناسخ کی کسی ایک شخص کی رائے خیال نہیں کی جائے گی بلکہ محول بکتاب ہو کر اور معتاد طریق سے انجام پکڑ کر قابل تشکیک اور تزئیف نہیں رہے گی۔

اور اس بحث میں یہ کچھ ضرور نہیں کہ صرف پنڈت کھڑک سنگھ صاحب تحریر جواب کی تن تنہا محنت اٹھائیں بلکہ میں عام اعلان دیتا ہوں کہ منجملہ صاحبان مندرجہ عنوان مضمون ابطال تناسخ جو ذیل میں تحریر ہو گا۔ کوئی صاحب ارباب فضل و کمال میں سے متصدی جواب ہوں اور اگر کوئی صاحب بھی باوجود اس قدر تاکید مزید کے اس طرف متوجہ نہیں ہوں گے اور دلائل ثبوت تناسخ کے فلسفہ متدعویہ وید سے پیش نہیں کریں گے یا در صورت عاری ہونے وید کے ان دلائل سے اپنی عقل سے جواب نہیں دیں گے تو ابطال تناسخ کی ہمیشہ کے لئے ان پر ڈگری ہو جائے گی اور نیز دعویٰ وید کا کہ گویا وہ تمام علوم و فنون پر متضمن ہے محض بے دلیل اور باطل ٹھہرے گا۔

اور بالآخر بغرض توجہ دہانی یہ بھی گزارش ہے کہ میں نے جو قبل اس سے فروری 1878ء میں ایک اشتہار تعدادی پانسو روپیہ بابطال مسئلہ تناسخ دیا تھا وہ اشتہار اب اس مضمون سے بھی بعینہٖ متعلق ہے اگر پنڈت کھڑک سنگھ صاحب یا کوئی اور صاحب ہمارے تمام دلائل کو نمبروار جواب دلائل مندرجۂ وید سے دے کر اپنی عقل سے توڑ دیں گے تو بلاشبہ رقم اشتہار کے مستحق ٹھہریں گے اور بالخصوص بخدمت کھڑک سنگھ صاحب کہ جن کا یہ دعویٰ ہے کہ ہم پانچ منٹ میں جواب دے سکتے ہیں یہ گزارش ہے کہ اب اپنی اس استعداد علمی کو روبروئے فضلائے نامدار ملت مسیحی اور برہمو سماج کے دکھلاویں۔ اور جو جو کمالات ان کی ذات سامی میں پوشیدہ ہیں منصہ ظہور میں لاویں ورنہ عوام کالانعام کے سامنے دم زنی کرنا صرف ایک لاف گزاف ہے اس سے زیادہ نہیں۔ اب میں ذیل میں مضمون موعودہ لکھتا ہوں۔

مضمون ابطال تناسخ و مقابلہ وید و قرآن جس کے طلب جواب میں صاحبان فضلاء آریہ سماج یعنی پنڈت کھڑک سنگھ صاحب، سوامی پنڈت دیانند صاحب، جناب باوانرائن سنگھ صاحب، جناب منشی جیونداس صاحب، جناب منشی کنھیالال صاحب، جناب منشی بختاور سنگھ صاحب ایڈیٹر آریہ درپن، جناب بابو سارداپرشاد صاحب، جناب منشی شرم پت صاحب سکرٹری آریہ سماج قادیاں جناب منشی اندرمن صاحب مخاطب ہیں بوعدہ انعام پانسو روپیہ۔

آریہ صاحبان کا پہلا اصول جو مدار تناسخ ہے یہ ہے جو دنیا کا کوئی پیدا کرنے والا نہیں اور سب ارواح مثل پرمیشر کے قدیم اور انادی ہیں اور اپنے اپنے وجود کے آپ ہی پرمیشر ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ یہ اصول غلط ہے اور اس پر تناسخ کی

پٹڑی جمانا بنیاد فاسد بر فاسد ہے قرآن مجید کہ جس پر تمام تحقیق اسلام کی مبنی ہے اور جس کے دلائل کو پیش کرنا بغرض مطالبہ دلائل وید اور مقابلہ باہمی فلسفہ مندرجہ وید اور قرآن کے ہم وعدہ کر چکے ہیں۔ ضرورت خالقیت باری تعالیٰ کو دلائل قطعیہ سے ثابت کرتا ہے چنانچہ وہ دلائل بہ تفصیل ذیل ہیں۔۔۔“(پرانی تحریریں، روحانی خزائن جلد2 صفحہ 3 تا6)

اس کے بعد6 قرآنی دلائل سے اس مضمون کو ثابت کیا ہے۔

ایک دوسرا مضمون بنیادی طور پر ضرورت الہام پر ہے۔ اور یہ خط وکتابت مئی جون 1879ء میں پنڈت شیونرائن اگنی ہوتری صاحب سے ہوئی ہے۔

پنڈت شیونرائن اگنی ہوتری، جو کہ لاہور سے ایک رسالہ برادر ہند / ہندو باندھو بھی نکالتے تھے۔ وہ اس کے مالک وایڈیٹر تھے۔ اور لاہور کے ایک گورنمنٹ سکول میں ڈرائنگ ماسٹر تھے۔ ان کے رسالہ میں آریہ سماج کے خلاف حضورؑ کے مضامین شائع ہوتے تھے۔ اسی سلسلہ میں مسئلہ الہام پر حضورؑ سے خط وکتابت شروع ہوگئی۔

اور تعجب انگیز بات ہے کہ یہ صاحب بھی حضورؑ سے اس بحث کے بعد اپنے عقائد پر قائم نہ رہ سکے اور برہمو سماج کو ترک کرکے ایک نئے سماج، دیو سماج کی بنیاد رکھی۔ اور وہ جو کل تک وحی و الہام کو لایعنی اور غیر ضروری سمجھ کر مخالفت کر رہے تھے آج دیو سماج کے بانی کی حیثیت سے خود دعویٰ کیا کہ خدا مجھ سے ہمکلام ہوتا ہے۔ یہ حضرت اقدسؑ کے دلائل کی ایک نمایاں فتح تھی کہ جس نے ان بڑے بڑے علماء اور پنڈتوں کے عقائد کو ان کے دل ودماغ کی جڑوں سے ہلا کر رکھ دیا۔

پنڈت شیونرائن اگنی ہوتری صاحب کا تعارف:

دیو سماج کے بانی پنڈت شیونرائن جی اگنی ہوتری (بعد میں انہوں نے اپنا نام ستیانند رکھ لیا) کانپور کے نزدیک ایک گاؤں کے رہنے والے تھے۔ آپ ایک برہمن خاندان میں سے تھے۔ جب آپ سولہ برس کے ہوئے تو آپ رڑکی کالج میں داخل ہوگئے۔ اور امتحان پاس کرکے وہاں ہی ملازم ہوگئے۔ اس کالج کے ایک استاد ویدانتی تھے۔ شونرائن جی پہلے ان کے زیر اثر رہ کر ویدانتی ہوگئے اور انہوں نے اور ان کی بیوی نے بت پرستی بالکل چھوڑ دی بلکہ پردہ بھی ترک کر دیا۔ جب آپ کی عمر 23 برس کی ہوئی تو آپ گورنمنٹ سکول لاہور میں ڈرائنگ ماسٹر مقرر ہوئے۔1873ء کا واقعہ ہے اس وقت لاہور میں برہمو سماج کا بڑا زور تھا آپ برہمو ہوگئے۔ دو سال بعد آپ برہمو سماج کے پرچارک بن گئے۔ لوگ ان کی تقریریں سننے اکثر آیا کرتے تھے۔ اسی زمانے میں لاہور میں آریہ سماج بھی قائم ہوئی تھی۔ چنانچہ شونرائن جی نے آریہ سماج کے خلاف جہاد شروع کر دیا۔

آپ نے اس زمانے میں بہت سی کتابیں بھی لکھیں اور مکتی فوج کے نمونہ پر ایک برہمہ سینا بھی بنائی۔ ڈرائنگ

ماسٹری سے مستعفی ہو کر وہ اپنا سارا وقت دھرم کارجوں میں صرف کرنے لگے۔ آخر برہمو سماج کے کچھ ممبروں سے اختلاف ہو گیا اور چونکہ پنڈت ستیانندجی بڑے خود پسند اور خودرائے واقع ہوئے تھے انہوں نے برہمو سماج چھوڑ چھاڑ کر ایک نئی سماج کی بنیاد ڈالی اور اس کا نام دیو سماج رکھا۔ سچ تو یہ ہے کہ آپ دوسروں پر حکومت کرنا چاہتے تھے اور لوگوں کو شک ہو گیا کہ وہ گرو بننا چاہتے ہیں۔ چنانچہ اس خیال کو دل میں لیتے ہوئے انہوں نے 1887ء میں دیو سماج کی بنیاد ڈال دی۔ اور دیو گورو کا لقب اختیار کیا اور کہنے لگے کہ مجھ میں دیو جیون کا وکلس ہوا ہے، یعنی میں اعلیٰ ترین روحانی طاقتوں کا مصدر اور منبع ہوں۔ ممبر کیلئے سیوک کا لفظ اختیار کیا گیا۔ دیو سماج کا ممبر یا سیوک بننے کے لئے مندرجہ ذیل آٹھ گناہوں سے بچنا ضروری قرار دیا گیا ہے۔

(1) سب طرح کے نشوں سے (2) گوشت خوری سے (3) جوئے سے (4) چوری سے (5) رشوت لینے سے (6) بدچلنی سے، اور ایک بیوی ہوتے ہوئے دوسری شادی کرنے سے (7) خیانت سے اور (8) قتلِ بے جا سے۔

یہاں حضرت شیخ یعقوب علی عرفانی صاحبؓ کے بیان کے ساتھ آریہ سماج اور برہمو سماج کے ساتھ بحث مباحثہ کی تفصیل کو ختم کرتا ہوں۔ آپؓ لکھتے ہیں:

"اس وقت تک آپ کے تحریری مباحثات آریہ سماج سے ہو رہے تھے۔ اور عیسائیوں سے بھی قلمی جنگ شروع تھی۔ اس لئے کہ لدھیانہ کے عیسائی اخبار نور افشاں میں اسلام اور حضرت نبی کریم ﷺ کے خلاف نہایت دل آزار اور غیر شریفانہ مضامین اور اعتراضات کا سلسلہ شروع تھا۔ آپؑ نے ان کے جوابات کے لئے اخبار منشور محمدی بنگلور کو منتخب کیا۔ جو اسی غرض کے لئے جاری ہوا تھا۔ آپؑ کے مضامین اس میں نکلنے شروع ہوئے۔ اور عیسائی کیمپ میں ایک شور مچا۔ اس کا ذکر میں بعد میں کروں گا۔ اس وقت براہم سماج سے مباحثات کے سلسلے کے متعلق لکھنا چاہتا ہوں۔ اس لئے بھی کہ واقعات کے سلسلہ کی زنجیر یہی چاہتی ہے۔ لاہور میں براہم سماج قائم ہو چکا تھا۔ اور پنڈت شونرائن اگنی ہوتری (جو لاہور کے گورنمنٹ سکول میں اس وقت ڈرائینگ ماسٹر تھے) براہم سماج کے بہت بڑے لیڈر اور ہندو باندھو کے مالک و ایڈیٹر تھے۔

براہم سماج وحی، نبوت اور الہام ربانی کا قائل نہیں۔ حضرت اقدسؑ کے مضامین ہندو باندھو میں شائع ہو رہے تھے۔ اسی سلسلہ میں مسئلہ الہام پر اس براہمو لیڈر سے خط و کتابت کا سلسلہ برنگ مباحثہ جاری ہو گیا اور یہ سلسلہ 21 مئی 1879ء سے 17 جون 1879ء تک جاری رہا۔ پنڈت شونرائن صاحب نے اس خط و کتابت کو شائع کیا تھا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے پنڈت شونرائن صاحب سے مطالبہ کیا تھا کہ وہ ایک برہمو اور ایک کسی انگریز کو اس معاملہ میں منصف مقرر کر کے ان کے فیصلہ کے ساتھ شائع کر دیں۔ اور آپ نے کشیپ چندر سین صاحب کا نام تجویز بھی کر

دیا تھا۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ پنڈت شونرائن صاحب نے کسی کو منصف اور حکم نہ بنایا۔ اور اس خط و کتابت کو شائع کر دیا۔ اس سے بحث نہیں کہ انہوں نے کیوں ایسا کیا، مگر یہ حقیقت اب مخفی نہیں۔ قریباً پچاس برس کا زمانہ اس پر گزر گیا ہے۔

اس کے بعد پنڈت شونرائن صاحب اگنی ہوتری کی زندگی میں ایک تغیر ہوا۔ اور وہ یہ کہ انہوں نے برہم سماج سے استعفیٰ دے دیا اور آپ ایک اور مشن دیو سماج کے بانی ہوئے۔ اور یہ دعویٰ کیا کہ خدا تعالیٰ ان سے ہمکلام ہوتا ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں انہوں نے متعدد کتب لکھیں۔ کیا یہ خدائی ہاتھ نہیں کہ جو شخص الہام الٰہی کا منکر تھا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے اس مضمون پر بحث کرتا تھا اور براہین احمدیہ کی اشاعت کے وقت اس پر اس نے مخالفانہ ریویو کر کے اعتراضات کئے۔ (اس کا ذکر براہین احمدیہ کی اشاعت کے ضمن میں آئے گا۔) وہی خود الہام الٰہی کا مدعی ہوا۔ **یہ ایک کھلم کھلا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی فتح تھی۔**

یہ دعویٰ غلط تھا یا صحیح اس وقت اس کی تنقید پر بحث نہیں، بلکہ صرف اس امر کا اظہار مقصود ہے کہ اس شخص نے منکر الہام ہو کر بحث کی۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کے اور اپنے درمیان اس کے مقبولہ اشخاص کو حکم بنانا تسلیم کر لیا، بلکہ ایک ان میں سے خود برہم سماج ہی کا گویا بانی تھا، مگر اس نے اس سے عملاً پہلو تہی کی۔ اس طرح پر یہ فیصلہ مشکوک ہو سکتا تھا کہ کون حق پر ہے۔ مگر اس نے اپنے عمل سے بتا دیا کہ **حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دلائل زبردست اور حق پر مبنی تھے۔** چنانچہ وہ ایک عرصہ دراز تک اس عقیدہ کے ساتھ اپنی سماج کا اعلان کرتا رہا۔

پنڈت کھڑک سنگھ صاحب نے تو اپنی شکست اور آریہ سماج کے باطل ہونے کا اعتراف عیسائی ہو کر کیا۔ اور اگر وہ حضرت مرزا صاحب سے مباحثہ کرنے سے پہلے عیسائی ہو جاتا تو دوسری بات ہوتی۔ لیکن مباحثہ کے بعد آریہ مذہب کو چھوڑ دینا اپنی شکست کا اعتراف تھا۔ یہی نہیں بلکہ اس نے میرے سامنے زبانی بھی بمقام بٹالہ اعتراف کیا، جبکہ میں اس سے ملنے گیا تھا۔ جیسا کہ میں اوپر لکھ چکا ہوں اسی طرح یہاں پنڈت شونرائن صاحب اگنی ہوتری نے اس خط و کتابت اور مباحثہ کے بعد اور براہین احمدیہ پر ریویو لکھ کر الہام کا منکر ہونے کا اعلان کرنے کے بعد پھر یہ اقرار کیا کہ مجھے الہام ہوتا ہے اور اس طرح پر حضرت صاحبؑ کے دلائل کے سامنے سر جھکا دیا۔"

(حیات احمدؑ جلد 1 حصہ سوم، صفحہ 359 تا 361 مرتبہ یعقوب علی عرفانی، نظارت اشاعت ربوہ 2013)

بہر حال شیونارائن صاحب سے یہ سلسلہ 21 مئی 1879ء سے 17 جون 1879ء تک جاری رہا۔ یہ خط و کتابت روحانی خزائن جلد 2 صفحات 20 تا 33، نیز مکتوبات احمدؑ صفحہ 21 تا 33 اور حیات احمدؑ جلد اول میں دیکھی جاسکتی ہے۔

ان تحریرات میں ایک اور مضمون ارواح کی بابت ہے۔ ہندو میتھالوجی یا ہندو عقائد میں ایک یہ ہے کہ روحیں

خود بخود ہیں ان کا کوئی خالق یعنی پیدا کرنے والا نہیں ہے۔ **آریہ سماج امر تسر کے سیکرٹری باوانرائن سنگھ صاحب** نے ایک سوال اٹھایا جس کا جواب دیتے ہوئے (یہ سوال وجواب آفتاب اخبار میں شائع ہوتے رہے) حضرت اقدس علیہ السلام نے تحریر فرمایا:

”اوّل باوا صاحب نے یہ سوال کیا ہے کہ اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ خدا روحوں کا خالق ہے اور ان کو پیدا کر سکتا ہے۔ اس کے جواب الجواب میں قبل شروع کرنے مطلب کے یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ ازرُوئے قاعدہ فن مناظرہ کے آپ کا یہ ہرگز منصب نہیں ہو سکتا کہ آپ روحوں کے مخلوق ہونے کا ہم سے ثبوت مانگیں بلکہ یہ حق ہم کو پہنچتا ہے کہ ہم آپ سے روحوں کے بلا پیدائش ہونے کی سند طلب کریں کیونکہ آپ اسی پرچہ مذکور العنوان میں خود اپنی زبان مبارک سے اقرار کر چکے ہیں کہ پرمیشر قادر ہے اور تمام سلسلہ عالم کا وہی منتظم ہے۔ اب ظاہر ہے کہ ثبوت دینا اس امر جدید کا آپ کے ذمہ ہے کہ پرمیشر اول قادر ہو کر پھر غیر قادر کس طرح بن گیا۔ ہمارے ذمہ ہرگز نہیں جو ہم ثبوت کرتے پھریں کہ پرمیشر جو قدیم سے قادر ہے وہ اب بھی قادر ہے۔

سو حضرت یہ آپ کو چاہیئے تھا کہ ہم کو اس بات کا ثبوت کامل دیتے کہ پرمیشر باوصف قادر ہونے کے پھر روحوں کے پیدا کرنے سے کیوں عاجز رہے گا۔ ہم پر یہ سوال نہیں ہو سکتا کہ پرمیشر (جو قادر تسلیم ہو چکا ہے) روحوں کے پیدا کرنے کی کس قدر قدرت رکھتا ہے کیونکہ خدا کے قادر ہونے کو تو ہم اور آپ دونوں مانتے ہیں۔ پس اس وقت تک تو ہم میں اور آپ میں کچھ تنازع نہ تھا۔ پھر تنازع تو آپ نے پیدا کیا جو رُوحوں کے پیدا کرنے سے اس قادر پرمیشر کو عاجز سمجھا اس صورت میں آپ خود منصف ہوں اور بتلائیں کہ بارِ ثبوت کس کے ذمہ ہے؟

اور اگر ہم بطریق تنزل یہ بھی تسلیم کر لیں کہ اگرچہ دعویٰ آپ نے کیا مگر اثبات اُس کا ہمارے ذمہ ہے۔ پس آپ کو مژدہ ہو کہ ہم نے سفیر ہند 21 فروری میں خدا کے خالق ہونے کا ثبوت کامل دے دیا ہے۔ جب آپ بنظر انصاف پرچہ مذکور کو ملاحظہ فرمائیں گے تو آپ کی تسلّی کامل ہو جائے گی۔ اور خود ظاہر ہے کہ خدا تو وہی ہونا چاہیئے جو موجد مخلوقات ہو نہ یہ کہ زور آور سلاطین کی طرح صرف غیروں پر قابض ہو کر خدائی کرے۔

اور اگر آپ کے دل میں یہ شک گزرتا ہے کہ پرمیشر جو اپنی نظیر نہیں پیدا کر سکتا شاید اسی طرح ارواح کے پیدا کرنے پر بھی قادر نہ ہو گا۔

پس اس کا جواب بھی پرچہ مذکورہ 9 فروری میں پختہ دیا گیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا ایسے افعال ہرگز نہیں کرتا جن سے اس کی صفات قدیم کا زوال لازم آوے جیسے وہ اپنا شریک نہیں پیدا کر سکتا اپنے آپ کو ہلاک نہیں کر سکتا کیونکہ اگر ایسا کرے تو اس کی صفات قدیمہ جو وحدت ذاتی اور حیات ابدی ہے زائل ہو جائے گی۔ پس وہ قدوس خدا

کوئی کام بر خلاف اپنی صفات ازلیہ کے ہر گز نہیں کرتا باقی سب افعال پر قادر ہے۔ پس آپ نے جو روحوں کی پیدائش کو شریک الباری کی پیدائش پر قیاس کیا تو خطا کی۔ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ یہ آپ کا قیاس مع الفارق ہے ہاں اگر یہ ثابت کر دیتے کہ پیدا کرنا ارواح کا بھی مثل پیدا کرنے نظیر اپنی کے خدا کی کسی صفت عظمت اور جلال کے بر خلاف ہے تو دعویٰ آپ کا بلاشبہ ثابت ہو جاتا۔

پس آپ نے جو تحریر فرمایا ہے کہ یہ ظاہر کرنا چاہیئے کہ خدا نے روح کہاں سے پیدا کئے۔ اس تقریر سے صاف پایا جاتا ہے کہ آپ کو خدا کے قدرتی کاموں سے مطلق انکار ہے اور اس کو مثل آدم زاد کے محتاج باسباب سمجھتے ہیں اور اگر آپ کا اس تقریر سے یہ مطلب ہے کہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ کس طرح پر میشر روحوں کو پَیدا کر لیتا ہے تو اس وہم کے دفع میں پہلے بھی لکھا گیا تھا کہ پر میشر کی قدرت کاملہ میں ہر گز یہ شرط نہیں کہ ضرور انسان کی سمجھ میں آجایا کرے۔ دُنیا میں اس قسم کے ہزار ہا نمونے موجود ہیں کہ قدرت مدرکہ انسان کی اُن کی کنہ حقیقت تک نہیں پہنچ سکتی اور علاوہ اس کے ایک امر کا عقل میں نہ آنا اور چیز ہے اور اس کا محال ثابت ہونا اور چیز۔ عدم ثبوت اس بات کا کہ خدا نے کس طرح روحوں کو بنالیا اس بات کو ثابت نہیں کر سکتا کہ خدا سے روح نہیں بن سکتے تھے کیونکہ عدم علم سے عدم شَے لازم نہیں آتا کیا ممکن نہیں جو ایک کام خُدا کی قدرت کے تحت داخل تو ہو لیکن عقلِ ناقص ہماری اس کے اسرار تک نہ پہنچ سکے؟ بلکہ قدرت تو حقیقت میں اسی بات کا نام ہے جو داغ احتیاج اسباب سے منزّہ اور پاک اور ادراک انسانی سے برتر ہو۔ اوّل خدا کو قادر کہنا اور پھر یہ زبان پر لانا کہ اس کی قدرت اسباب مادی سے تجاوز نہیں کرتی حقیقت میں اپنی بات کو آپ ردّ کرنا ہے۔ کیونکہ اگر وہ فی حدّ ذاتہٖ قادر ہے تو پھر کسی سہارے اور آسرے کا محتاج ہونا کیا معنے رکھتا ہے۔ کیا آپ کی پُستکوں میں قادر اور سرپ شکتی مان اسی کو کہتے ہیں جو بغیر توسل اسباب کے کارخانہ قدرت اُس کی کا بند رہے اور نِراہ اس کے حکم سے کچھ بھی نہ ہو سکے شاید آپ کے ہاں لکھا ہو گا مگر ہم لوگ تو ایسے کمزور کو خدا نہیں جانتے ہمارا تو وہ قادر خدا ہے کہ جس کی یہ صفت ہے کہ جو چاہا سو ہو گیا اور جو چاہے گا سو ہو گا۔

پھر باوا صاحب اپنے جواب میں مجھ کو فرماتے ہیں کہ جس طرح تم نے یہ مان لیا ہے کہ خدا دوسرا خدا بنا نہیں سکتا اسی طرح یہ بھی ماننا چاہیئے کہ خدا رُوح پیدا نہیں کر سکتا۔ اس فہم اور ایسے سوال سے اگر میں تعجب نہ کروں تو کیا کروں۔ صاحبِ من میں تو اس وہم کا کئی دفعہ آپ کو جواب دے چکا اب میں بار بار کہاں تک لکھوں۔ میں حیران ہوں کہ آپ کو یہ بیّن فرق کیوں سمجھ میں نہیں آتا اور کیوں دل پر سے یہ حجاب نہیں اُٹھتا کہ جو رُوحوں کے پیدا کرنے کو دوسرے خُدا کی پیدائش پر قیاس کرنا خیال فاسد ہے کیونکہ دوسرا خدا بنانے میں وہ صفت ازلی پر میشر کی جو واحد لاشریک ہونا ہے نابود

ہو جائے گی۔ لیکن پیدائش ارواح میں کسی صفت واجب الوجود کا ازالہ نہیں بلکہ ناپید کرنے میں ازالہ ہے کیونکہ اس سے صفت قدرت کی جو پر میشر میں بالاتفاق تسلیم ہو چکی ہے زاویہ اختفا میں رہے گی اور بپایۂ ثبوت نہیں پہنچے گی۔ اس لئے کہ جب پر میشر نے خود ایجاد اپنے سے بلا توسل اسباب کے کوئی چیز محض قدرت کاملہ اپنی سے پیدا ہی نہیں کی تو ہم کو کہاں سے معلوم ہو کہ اس میں ذاتی قدرت بھی ہے۔ اور اگر یہ کہو کہ اس میں کچھ ذاتی قدرت نہیں تو اس اعتقاد سے وہ پرادھین۔ یعنی محتاج بالغیر ٹھہریگا۔ اور یہ بہ بداہت عقل باطل ہے۔ غرض پر میشر کا خالق ارواح ہونا تو ایسا ضروری امر ہے جو بغیر تجویز مخلوقیت ارواح کے سب کارخانہ خُدائی کا بگڑ جاتا ہے لیکن دوسرا خدا پیدا کرنا صفت وحدت ذاتی کے برخلاف ہے۔ پھر کس طرح پر میشر ایسے امر کی طرف متوجّہ ہو کہ جس سے اس کی صفت قدیمہ کا بطلان لازم آوے۔ اور نیز اس صورت میں جو رُوح غیر مخلوق اور بے انت مانے جائیں۔ کل ارواح صفت انادی اور غیر محدود ہونے میں خدا سے شریک ہو جائیں گی۔ اور علاوہ اس کے پر میشر بھی اپنی صفت قدیم سے جو پیدا کرنا بلا اسباب ہے محروم رہیگا اور یہ ماننا پڑیگا کہ پر میشر کو صرف رُوحوں پر جمعداری ہی جمعداری ہے اُن کا خالق اور واجب الوجود نہیں۔

پھر بعد اس کے باوا صاحب اسی اپنے جواب میں روحوں کے بے انتہا ہونے کا جھگڑا لے بیٹھے ہیں جس کو ہم پہلے اس سے 9 اور 16 فروری سفیر ہند میں 14 دلائل پختہ سے ردّ کر چکے ہیں لیکن باوا صاحب اب تک انکار کئے جاتے ہیں۔ پس ان پر واضح رہے کہ یوں تو انکار کرنا اور نہ ماننا سہل بات ہے اور ہر ایک کو اختیار ہے کہ جس بات پر چاہے جما رہے پر ہم تو تب جانتے کہ آپ کسی دلیل ہماری کو ردّ کر کے دکھلاتے اور بے انت ہونے کی وجوہات پیش کرتے...

اخیر میں باوا صاحب اپنے خاتمہ جواب میں یہ بات کہہ کر خاموش ہو گئے ہیں کہ سب دلائل معترض کے توہمات ہیں قابلِ تردید نہیں۔ اس کلمہ سے زیرک اور ظریف آدمیوں نے فی الفور معلوم کر لیا ہو گا کہ باوا صاحب کو یہ لفظ کیوں کہنا پڑا۔ بات یہ ہوئی کہ اوّل تو ہمارے معزز دوست جناب باوا صاحب جواب دینے کی طرف دوڑے اور جہاں تک ہو سکا ہاتھ پاؤں مارے اور کُودے اُچھلے لیکن جب اخیر کو کچھ پیش نہ گئی اور عقدہ لاینحل معلوم ہوا تو آخر ہانپ کر بیٹھ گئے اور یہ کہہ دیا کہ کیا تردید کرنا ہے یہ تو توہّمات ہیں لیکن ہر عاقل جانتا ہے کہ جن دلائل کی مقدمات یقینیہ پر بنیاد ہے وہ کیوں توہّمات ہو گئے۔ اب ہم اس مضمون کو ختم کرتے ہیں اور آئندہ بلا ضرورت نہیں لکھیں گے۔ راقم مرزا غلام احمد رئیس قادیان۔"

(پرانی تحریریں، روحانی خزائن جلد 2 صفحہ 34 تا 46)

❀❀❀❀❀

بدھ مت

از افاضات حضرت مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ

حضرت مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے انگریزی زبان میں معرکۃ الآراء اور عہد ساز تصنیف Revelation, Rationality, Knowledge and Truth کے باب دوم میں دوسرے نمبر پر "بدھ مت" کے حوالہ سے کئی صفحات تحریر فرمائے ہیں جو **بدھ مذہب پر زمانہ جدید کی تحقیقات وتصنیفات اور آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کے خداداد علم وفہم سے ضرب کھا کر ایک غیر معمولی تحقیق کا نمونہ کہلانے کے مستحق ہیں۔** یہ پر مغز اور باحوالہ بحث انگریزی ایڈیشن کے صفحہ 129 سے 151 تک ہے اور اردو ترجمہ میں صفحہ 115 سے 134 تک محیط ہے۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ (الہام، عقل، علم اور سچائی) کے نام سے وکالت تصنیف ربوہ کی طرف سے شائع شدہ ہے۔ اور مندرجہ ذیل لنک پر میسر ہے۔ https://alisl.am/u4015

(مرسلہ، ابن انوار)

"بدھ مت کے متعلق دنیا میں عام تاثر یہ ہے کہ اسے مذاہب میں سے تو شمار کیا جاتا ہے لیکن بایں ہمہ اس کے فلسفۂ حیات میں خدا کے وجود کو تسلیم نہیں کیا جاتا۔ یہ تاثر درست تو ہے لیکن ایک حد تک اور وہ بھی جزواً۔ آج بھی بدھ مت کے ماننے والوں کے بارہ میں یہ کہنا غلط ہو گا کہ ان میں سے کوئی بھی خدا تعالیٰ پر یا دیوتاؤں پر یقین نہیں رکھتا۔ مہایان

(Mahayans)اور تھیراویڈن (Theravadins) جیسے نمایاں فرقے باطنی حکمتِ اعلیٰ پر یقین رکھتے ہیں جو مہاتما بدھ کو کامل طور پر حاصل تھی۔ مگر اس کے باوجود وہ بہت سے توہمات اور بھوت پریت کے قائل بھی ہیں جو ان کے نزدیک خدا کے قائم مقام ہیں۔ بدھ مت کے بارہ میں خدا کے وجود کی نفی کا یہ تاثر ایک اور پہلو سے بھی غلط ہے۔ بدھ مت کی ابتدائی تاریخ کے مطالعہ سے اس امر کی کافی شہادت ملتی ہے اور ہم آگے چل کر اس بات کو ثابت کریں گے کہ بدھ مذہب کا آغاز بھی دوسرے الہامی مذاہب کی طرح ہوا اور خدا کی وحدانیت پر زور دیا گیا۔

حضرت بدھ: آپ کے ماننے والوں کے نزدیک

مہاتما بدھ 563 قبل مسیح میں پیدا ہوئے اور 483 قبل مسیح میں وفات پائی۔ ان کے ماننے والے ان کو خدا تعالیٰ کا مقام تو نہیں دیتے لیکن جس رنگ میں ان کا احترام کیا جاتا ہے وہ تقریباً ایسا ہی ہے جیسا دوسرے مذاہب کے ماننے والے خدا تعالیٰ کا احترام اور اس کی پرستش کرتے ہیں۔ مہاتما بدھ کے پیروکار ان کا احترام اور تعظیم اسی طرح کرتے ہیں جیسے بت پرست بتوں کی اور بدھ کی مورتی اور مجسمہ کے سامنے اسی طرح جھکتے اور سجدہ ریز ہوتے ہیں جیسے بت پرست۔

اگرچہ بدھ مت کے اکثر پیروکار بظاہر ہستیٔ باری تعالیٰ کا انکار کرتے ہیں لیکن ان کے دل کی گہرائیوں میں کسی بالا ہستی کی عبادت کی خواہش ضرور موجود نظر آتی ہے۔ مہاتما بدھ کی اس قسم کی تعظیم یہ ثابت کرتی ہے کہ ایسی خواہش واقعی موجود ہے۔ امرِ واقعہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی عبادت کیلئے جو فطری خواہش انسانی روح پر نقش ہے وہ اسے خدا یا کسی اور کی پرستش پر آمادہ کرتی ہے۔ چنانچہ بدھ مت کے ماننے والے اس خلا کو پر کرنے کیلئے بدھ کو خدا تسلیم کئے بغیر اس کی رسمی طور پر عبادت کرتے نظر آتے ہیں۔

یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ تبت میں بدھ مت کی جو شکل پائی جاتی ہے اس میں مافوق البشر دیوتاؤں یا بھوت پریت وغیرہ کا تصور نہ صرف ایمان کا جزوِ لاینفک ہے بلکہ اُن کا پختہ عقیدہ ہے کہ یہ دیوتا اُن سے باتیں بھی کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر نئے پنچن لامہ کے انتخاب کیلئے بہت سی مذہبی رسومات ادا کی جاتی ہیں تاکہ دیوتاؤں سے اس بارہ میں رہنمائی حاصل ہو سکے کہ نوزائیدہ بچوں میں سے مستقبل کا پنچن لامہ کون ہوگا۔

نام نہاد بدھ فرقوں میں سے بعض کا دعویٰ ہے کہ مہاتما بدھ خود بھی خدا کے وجود کے منکر تھے۔ اپنے اس دعویٰ کو

تقویت دینے کیلئے وہ ہمعصر ہندو پنڈتوں کی مہاتما بدھ سے دشمنی کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ دشمنی بہت حد تک ہندوؤں کے خداؤں کے بارہ میں بدھ کے ہتک آمیز رویہ کا نتیجہ تھی۔ بدھ مت کے پیروکار عموماً ان اسباب کو معلوم کرنے کی کوشش نہیں کرتے جن کی وجہ سے غلط فہمیاں پیدا ہوئیں جو بدھ پر کئے گئے ظلم و ستم کا باعث بنیں۔ ان کیلئے یہی کافی ہے کہ بدھ نے خدا کے وجود کا سرے سے ہی انکار کر دیا تھا۔

تاہم تاریخی حقائق کے جائزہ اور بدھ مت کے مذہبی لٹریچر کے گہرے مطالعہ سے ثابت کیا جا سکتا ہے کہ بدھ ایسے تمام الزامات سے بری الذمہ تھے۔ مگر یہ واضح رہے کہ تاریخی حقائق جن کا دونوں مکاتبِ فکر ذکر کرتے ہیں کافی نہیں۔ البتہ اس اشکال کو حالات و واقعات کی روشنی میں بہت حد تک دور کیا جا سکتا ہے۔

بدھ مت کا فلسفہ، تعلیمات اور رسومات قریباً پانچ سو سال تک تو سینہ بہ سینہ ہی منتقل ہوتی رہیں سوائے ان کے جو چٹانوں، پتھروں اور مزاروں پر اشوکا کے عہد (273 تا 232 قبل مسیح) میں کندہ کی گئیں جو اپنے روحانی پیشوا بدھ کے تین سو سال بعد حکمران ہوا۔ اور یہ حقیقت نہایت اہم ہے کیونکہ اشوکا کے دور حکومت کی تحریرات کی رو سے بدھ کے فلسفہ اور طرز زندگی پر خوب روشنی پڑتی ہے۔ مزید برآں اشوکا نے ہی بدھ کی تعلیمات کو اس وقت تحریری شکل دی جبکہ بدھ مت پر ابھی کچھ بھی نہیں لکھا گیا تھا۔ نیز اشوکا کی بدھ مذہب کی نمائندہ حیثیت کو کبھی چیلنج نہیں کیا گیا۔ چنانچہ اب جھگڑا صرف مختلف تشریحات کا ہے۔

مہاتما بدھ کے حالات زندگی اگرچہ ان کی وفات کے کئی سو سال بعد قلمبند کئے گئے تاہم تمام محققین کسی قابل ذکر اختلاف کے بغیر متفقہ طور پر ان واقعات کو مستند تسلیم کرتے ہیں۔ یہ واقعات ایک نسل سے دوسری نسل تک سینہ بہ سینہ منتقل ہوتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ بدھ کی شخصیت اور ان کے طرز زندگی کے آغاز سے آخر تک ایک تسلسل دکھائی دیتا ہے۔

اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا قرین قیاس ہو گا کہ بدھ اور بدھ مت کے جو حالات دو ذرائع یعنی بدھ کی زندگی کے واقعات اور مزاروں (stupas) پر کندہ تحریرات سے حاصل ہوئے ہیں وہ نسبتاً زیادہ قابل قبول ہیں اور جو نظریات اس کے برعکس پیش کئے جاتے ہیں انہیں رد کیا جا سکتا ہے۔ بہر حال اگر ابتدائی ماخذ ہی باہم متضاد دکھائی دیں تو ایک کو اپنانے اور دوسرے کو رد کرنے میں بہت احتیاط سے کام لینا ہو گا۔

بدھ کی زندگی کے بغور مطالعہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا طرز زندگی مختلف علاقوں اور زمانوں میں مبعوث ہونے والے دیگر انبیاء سے مختلف نہیں تھا۔ تمام انبیاء کے کردار میں ایک ہمہ گیر مشابہت پائی جاتی ہے جو ہمیں بدھ کی

زندگی میں بھی نظر آتی ہے۔

تاہم بدھ مت کے بنیادی عقائد سے متعلق بدھ کے اقوال و افعال کی مختلف تشریحات سے مشکلات بھی پیدا ہوتی ہیں۔ مثلاً ہمیں اس عام خیال سے اختلاف ہے کہ مہاتما بدھ دہریہ تھے۔ ہم پورے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ بدھ مت خدا کا بھیجا ہوا مذہب ہے اور ہم اس بات پر بھی یقین رکھتے ہیں کہ اس کے بانی ہرگز دہریہ نہیں تھے۔ بلکہ وہ ایسی شخصیت تھے جنہیں خود خدا نے اپنا پیغام پہنچانے کے لئے منتخب کیا تھا بالکل اسی طرح جس طرح دوسرے انبیاء مبعوث کئے گئے تھے۔

بدھ مت پر تحقیق کرنے والے اکثر علماء اس مشکل سے دوچار ہوتے ہیں کہ بدھ مت کو دنیا کے عظیم مذاہب میں کس طرح شمار کیا جائے؟ اس مقصد کے حصول کے لئے انہیں مذہب کی مسلّمہ تعریف سے انحراف کرنا پڑتا ہے تاکہ اس میں دہریہ فکر و مذہب کی گنجائش نکل سکے۔ اصل سوال یہ ہے کہ ایک ایسے ضابطۂ اخلاق کو مذاہب کی صف میں کیسے شمار کیا جا سکتا ہے جس کی بنیاد خدا کے انکار پر ہو؟ ہمارے نزدیک یہ اعتراض ہی درست نہیں ہے۔ ہم اس بات کا سرے سے ہی انکار کرتے ہیں کہ بدھ مت منجانب اللہ نہیں ہے۔ اپنے نقطۂ نگاہ کے حق میں ہم ان ماخذ کی طرف رجوع کرتے ہیں جن پر بدھ مت کے پیروکار بھی انحصار کرتے ہیں۔ ہم ثابت کریں گے کہ ہمارا نقطۂ نگاہ بنیادی طور پر زیادہ قابل قبول ہے۔ ہم پھر یہی کہتے ہیں کہ بدھ مت مذاہب عالم میں کوئی عجوبہ نہیں ہے۔ اس کے برعکس بدھ مت کے بنیادی خدوخال بھی وہی ہیں جو دیگر الہامی مذاہب کے ہیں۔

اٹھارہویں اور انیسویں صدی کے مغربی محققین بدھ مت کے بارہ میں یہ عام غلط فہمی پھیلانے کے ذمہ دار ہیں کہ یہ ایک ملحدانہ مذہب ہے۔ اس سلسلہ میں ان کی معلومات کی بنیاد زیادہ تر بدھ علماء کے پالی زبان سے کئے گئے تراجم پر تھی جن کے متعصبانہ اور ملحدانہ خیالات نے ان تراجم کو متاثر کیا۔ ان مغربی محققین میں سے کم ہی پالی زبان کو سمجھ سکتے تھے جو بدھ کی بنیادی تعلیم کا ماخذ تھی۔ علاوہ ازیں بجائے اس کے کہ یہ علماء بدھ مت کے معتبر ذرائع سے خود نتائج اخذ کرتے ان کا میلان مکمل طور پر ان عقائد کی طرف رہا جو بدھ مت کے اکثر فرقوں میں رائج تھے۔

مغربی مفکرین کے اس عمومی رجحان کے خلاف حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام (1835-1908) نے تنہا آواز بلند کی اور ایک بالکل مختلف نظریہ پیش کیا۔ آپؑ نے دعویٰ کیا کہ مہاتما بدھؑ وجود باری پر ایمان رکھتے تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے خاص مقصد کیلئے مبعوث فرمایا تھا۔ آپؑ نے ثابت کیا کہ باقی انبیاء کی طرح حضرت بدھؑ بھی فرشتوں، جنت دوزخ، قیامت کے دن اور شیطان کے وجود پر ایمان رکھتے تھے۔ لہٰذا یہ الزام کہ حضرت بدھؑ خدا تعالیٰ پر ایمان نہیں رکھتے

تھے، سراسر اختراع ہے۔ حضرت بدھؑ نے دراصل ویدانتا (وہ مذہبی عقائد اور اصول جو ہندوؤں کی مقدس کتب ویدوں میں موجود ہیں) کی نفی کی تھی اور ہندومت کے خدا کے جسمانی شکل میں ظہور کے عقیدہ کو ردّ کیا تھا۔ حضرت بدھؑ نے برہمنوں پر سخت تنقید کی جنہوں نے اپنی غلط تشریحات سے ہندومت کی الہامی تعلیمات کو بگاڑ کر رکھ دیا تھا۔

حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کی آواز زیادہ دیر تک تنہا نہ رہی اور بہت جلد مغربی محققین کی دوسری نسل کی اکثریت اس سلسلہ میں آپؑ کے نقش قدم پر چلنے لگی۔ ان میں سب سے ممتاز فرانسیسی سکالر ڈاکٹر گستاولے بون (1931-1841) Dr.Gustavr Le Bon لکھتے ہیں:

"بدقسمتی سے یورپین محققین نے ہندوستان کی مذہبی یادگاروں کے مطالعہ کو مکمل طور پر نظرانداز کردیا ہے۔ ہندوستانی ثقافت کے ماہرین، جن کے ذریعہ ہمیں بدھ مت کا علم حاصل ہوا ہے، کبھی ہندوستان گئے ہی نہیں۔ اس مذہب کے بارہ میں ان کا علم صرف کتابی تھا۔ سوءِ اتفاق سے وہ فلسفیانہ کتب ان کے ہاتھ لگ گئیں جو بدھ کی وفات کے پانچ چھ سو سال بعد لکھی گئی تھیں اور جو عملی تعلیم سے یکسر مختلف تھیں۔ مابعد الطبیعیاتی نظریات جنہوں نے اپنے علم کی گہرائی سے یورپین محققین کو متحیّر کردیا کوئی نئی چیز نہ تھے۔ جب لوگ ہندوستانی کتب سے متعارف ہوئے تو پتہ چلا کہ اس فلسفۂ حیات کے ماننے والے برہمن فرقے اس دور میں بھی موجود تھے۔"[1]

یہاں تک تو ڈاکٹر لے بون (Dr. Le Bon) کی تنقید درست ہے لیکن درج ذیل اقتباس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ خود بدھ مت کے حقیقی تصور کو نہیں سمجھ سکے۔ کیونکہ مزاروں (stupas) پر کندہ تحریرات ثابت کرتی ہیں کہ مہاتما بدھ ہرگز مشرک نہیں تھے۔ ڈاکٹر لے بون کا بیان ہے کہ:

"بدھ مت کے بارہ میں معلومات ہمیں کتابوں سے نہیں بلکہ یادگار عمارتوں سے حاصل ہوئی ہیں۔ یہ عمارتیں جو معلومات ہمیں مہیا کرتی ہیں وہ کتب سے حاصل کردہ معلومات سے حیران کن حد تک مختلف ہیں۔ ان سے ثابت ہوتا ہے کہ بدھ مت جسے دورِ جدید کے محققین ملحدانہ خیال کرتے ہیں دراصل انتہائی مشرکانہ رسوم کا حامل ہے۔"[2]

لیکن جیسا کہ ابھی ثابت کیا جائے گا اس تحریر کا آخری حصہ درست نہیں۔

[1] LE BON, G., GUIMET. E. (1992) Mirages Indiens: de Ceylan au Nepal, 1876-1886. Chantal Edel et R. Sctrick, Paris, p.241

[2] Ibid: p. 240 ڈاکٹر لے بون کے ان دونوں اقتباسات کا فرانسیسی سے ترجمہ دیانتداری سے کیا گیا ہے۔(مصنف)

ڈاکٹر لے بون کے بعد آنے والے مشہور سکالر آرتھر للی (Arthur Lillie) نے اشوکا کے مزاروں پر کندہ تحریرات کے بغور مطالعہ کے بعد بالکل مختلف نتیجہ نکالا ہے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے اپنی کتاب India in Primitive Christianity میں بہت سے حوالے دیئے ہیں۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ یہ نقوش خاص مقصد کیلئے صرف تعمیر شدہ مزاروں پر ہی نہیں بلکہ ان چٹانوں پر بھی ملتے ہیں جو شاہراہوں اور تجارت کیلئے بنائے گئے راستوں پر بھی موجود تھیں۔ ذیل میں ہم اس قسم کی تحریرات کے دو نمونے پیش کرتے ہیں۔

دریائے کٹک کے مشرقی ساحل پر جگن ناتھ سے 20 میل کے فاصلے پر موجود ایک چٹان Pardohli پر یہ تحریر کندہ ہے:

> "میں دوبارہ اس بات پر زور دیتا ہوں کہ اس زندگی کی چیزوں کی شدید خواہش نافرمانی ہے۔ اور یہ بھی نافرمانی میں داخل ہے کہ ایک شہزادہ دنیوی اقتدار کے حصول کی شدید خواہش رکھے جبکہ وہ جنت کا وارث بن سکتا ہو۔ توبہ کرو اور خدا (Is'ana) پر ایمان رکھو جو فرمانبرداری کا مستحق ہے۔ میں تم پر واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ اس جنت کے حصول کیلئے اطاعت جیسا اور کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ تم ہمت کر کے یہ بیش بہا خزانہ حاصل کر لو۔"[1]

اس عبارت میں اسانا (Is'ana) کا لفظ شِو دیوتا (Shiv Devta) یعنی خدا کیلئے استعمال ہوا ہے۔ (ملاحظہ ہو سنسکرت، انگریزی ڈکشنری از Shivram Apte)

ساتویں مزار (Stupa) سے متعلق یہی مصنف ذیل کا ایک اور حوالہ دیتا ہے:

> "Devanampiya Piyadasi یوں مخاطب ہوا: اسی لمحہ سے میں نے مذہبی تبلیغ کا حکم دیا ہے اور ایسے مناسک کا نفاذ کیا ہے جن کی اتباع میں انسان سیدھا راستہ اختیار کرلے گا اور خدا کی عظمت کے گیت گائے گا۔"[2]

ان اقتباسات سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ ابتدائی ماخذ کے مطابق حضرت بدھؑ کا خدا پر پختہ ایمان تھا۔

مستند اور ثقہ ہونے کے لحاظ سے دوسرا اہم ماخذ بدھ مت کا وہ مذہبی لٹریچر ہے جو مہاتما بدھ علیہ السلام کے پانچ سو سال بعد منظر عام پر آیا۔ اس لٹریچر میں بھی کافی شہادت موجود ہے کہ حضرت بدھؑ نہ تو ملحد تھے اور نہ ہی لاادری، بلکہ وہ تو

---

[1] LILLIE, A. (1909) India in Primitive Christianity. Kegan Paul, Trench, Trubner & Co, London, p.85

[2] Ibid: p. 86 یہاں "خدا" کے لفظ کا واحد کے صیغہ میں استعمال بہت اہم ہے۔ (مصنف)

اللہ تعالیٰ پر پختہ ایمان رکھنے والے تھے۔ ہم یہاں خاص طور پر Theravada کے متن کا حوالہ دیں گے جو Tripitaka یعنی تین ٹوکریوں کے نام سے موسوم ہے۔ یہ نام ظاہر کرتا ہے کہ کتاب کے تین حصے ہیں۔ پہلا حصہ Vinaya-Pitaka یعنی ضابطۂ اخلاق پر مشتمل ہے۔ دوسرا حصہ Sutta-Pitaka یعنی مکالمۂ صداقت اور تیسرا حصہ Abhidhamma Pitaka ہے جسے تجزیۂ مذہب کہا جاتا ہے۔

Sutta Nipta کے The Chapter on going to the far shore[1] بالفاظ دیگر 'دور ساحل کا سفر' میں موت کی تسخیر کا مقصد بیان کیا گیا ہے جس میں حضرت بدھؑ فرماتے ہیں کہ جو لوگ اپنی 'انا' مٹا ڈالتے ہیں اور خدا کے ہو جاتے ہیں، موت ان کے لئے کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ البتہ یہ درست نہیں کہ یہ تحریریں غلط فہمیوں کا شکار ہو گئی ہیں اور مکتی کے بارہ میں برہمن سوچ سے خلط ملط ہو گئی ہیں۔ حضرت بدھؑ نے بڑے واضح الفاظ میں ان لوگوں کا ذکر کیا ہے جو اسی دنیا میں جسمانی موت سے پہلے ہی دوسرے عالم کا مشاہدہ کر لیتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے نزدیک کوئی شخص اسی زندگی میں موت سے گزرے بغیر اخروی زندگی کو نہیں پا سکتا۔ یہ تصور قرآنی تعلیم کے بہت قریب ہے۔ حضرت بدھؑ نے تعلیم دی کہ جب انسان کامل طور پر خدا کا ہو جاتا ہے تو وہ زندگی اور موت سے بالاتر ہو کر دائمی زندگی پا لیتا ہے۔

اس باب کے آخر پر حضرت بدھؑ کا ایک پیروکار، پنجیا (Pingiya) اپنے استاد کے کمالات کا ذکر کرتا ہے جن کے نتیجہ میں اس نے بدھ مت کو اختیار کیا۔ یہ ذکر کرنے کے بعد کہ وہ ضعیف العمر اور قریب المرگ ہے پنجیا اپنی گفتگو کو یوں سمیٹتا ہے:

> ''میں یقیناً اس کے پاس جاؤں گا جو غیر متغیر اور غیر متزلزل ہے جس کی کہیں کوئی مثال نہیں ملتی۔ اس میں ذرہ بھی شک نہیں۔ اس لئے مجھے انہی لوگوں میں شمار کرو جو اس پر ایمان لاتے ہیں۔''[2]

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت بدھؑ کا ایک مرید یہ خواہش اور تمنا رکھتا ہے کہ وہ مرنے کے بعد اپنے آقا کے حضور حاضر ہو گا جو ایک غیر متغیر، غیر متزلزل اور بے مثل و مانند ہستی ہے۔ خدا کی یہی تعریف بعینہٖ دوسرے مذاہب میں بھی پائی جاتی ہے۔

Tripitaka کے حصہ دوم Sutta-Pitaka میں، جو مزید پانچ کتابوں میں منقسم ہے اور بدھ کے بہت سے مکالمات پر مشتمل ہے، نہایت دلچسپ پیرائے میں حضرت بدھؑ کے عقائد کا ذکر کیا گیا ہے۔ پالی ٹیکسٹ سوسائٹی لنڈن کی

[1] NORMAN, K.R., (1992) The Group of Discourses (Sutta-Nipata). Vol II. The Pali Text-Society, Oxford, p.112-129
[2] Ibid: p. 129

پریذیڈنٹ Mrs. T.W. Rhys Davidsنے ان میں سے بعض مکالمات کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے اور یہ ترجمہ Sacred Books of the Buddhistsکے عنوان سے شائع شدہ کتاب میں درج ہے جو کئی جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کی دوسری جلد کا مکالمہ نمبر13(Tevigga Sutta) خصوصیت کے ساتھ اس سوال سے متعلق ہے کہ انسان کس طرح خدا تک پہنچ سکتا ہے؟

حضرت بدھؑ اوّل تو اس بات ہی کو ردّ فرماتے ہیں کہ ان کے زمانہ میں کوئی ہندو پنڈت کسی انسان کی خدا کی طرف رہنمائی کر سکتا ہے۔ اس کے بعد اس سوال کا مختلف جواب وہ اپنے طور پر دیتے ہیں۔ اس مکالمہ کا پس منظر بھی بہت دلچسپ ہے۔

کہتے ہیں کہ بہت پہلے برہمنوں کا ایک مشہور گاؤں مناساکٹا(Manasakata) تھا جو ملک کے ایک بہت ہی خوبصورت علاقے میں دریا کے کنارے واقع تھا اور برہمنوں کے مذہبی نزاع کا مرکز ہونے کی وجہ سے دور دور تک مشہور تھا۔ ان میں سے پانچ برہمن جو اپنے اپنے مذہبی مکتبۂ فکر کے سربراہ تھے، بہت ممتاز تھے۔ اتفاق سے حضرت بدھؑ نے بھی اپنے بعض مریدوں کے ساتھ اسی دریا کے کنارے پڑاؤ کیا۔ ان کی آمد کا سن کر لوگ ان سے ملنے کیلئے آنے لگے تا کہ وہ ان کی تعلیمات خود ان کی زبانی سن کر بصیرت حاصل کر سکیں۔ ایک مرتبہ اس گاؤں کے واسیتا (Vasettha)اور بھر دواگا (Bharadvaga) نامی دو نوجوانوں کے مابین اشنان کے بعد چہل قدمی کے دوران مذہبی عقائد پر بحث چھڑ گئی۔ لیکن کوئی ایک بھی دوسرے کو اپنے گورو کی سچائی کا قائل نہ کر سکا۔ واسیتا (Vasettha)نے یہ معاملہ حضرت بدھؑ کے حضور پیش کرنے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ اس بارہ میں وہ حضرت بدھؑ سے رہنمائی حاصل کرنے کیلئے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دوران گفتگو بھر دواگا تو خاموش رہا اور واسیتا نے مسئلہ بیان کیا۔ مگر حضرت بدھؑ نے جواب دینے سے قبل بعض مزید سوال پوچھے۔

ان کا پہلا سوال یہ تھا کہ کیا ویدوں کے کسی عالم نے برہما(یعنی خدا) کو ظاہری شکل میں دیکھا ہے؟ انہوں نے کہا ”نہیں۔“ پھر حضرت بدھؑ نے واسیتا سے پوچھا کیا پچھلی سات پشتوں سے کسی برہمن یا اس کے شاگردوں میں سے کسی نے برہما کو دیکھا ہے؟ جواب پھر نفی میں تھا۔ پھر حضرت بدھؑ نے سوال کیا کہ کیا آپ دونوں نے کبھی برہما کو دیکھا ہے؟ جواب پھر نفی میں تھا۔ پھر انہوں نے واسیتا سے پوچھا کہ ایک شخص جو مناساکٹا میں پیدا ہوا اور وہیں پلا بڑھا ہو، اس سے مناساکٹا کا راستہ پوچھا جائے تو کیا وہ راستہ بتانے میں کوئی دقت محسوس کرے گا؟ واسیتا نے جواب دیا ہرگز نہیں، اور ایسا ممکن بھی نہیں۔ اے مقدس گوتما! ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ کیونکہ جو شخص مناساکٹا میں پیدا ہوا اور وہیں پلا بڑھا ہو وہ تو مناساکٹا کی طرف جانے والے ہر راستہ سے پوری طرح واقف ہو گا۔ اس موقع پر حضرت بدھؑ نے وضاحت فرمائی کہ:

"پس اے واسیتا! ایسا شخص جو مناسا کٹا میں ہی پیدا ہوا اور وہیں پروان چڑھا ہو، مناسا کٹا کا راستہ بتانے میں شاید دقت محسوس کرے لیکن تتھا گتا Tathagata (روحانی نور سے آشنا یعنی خود بدھ) سے اس راستہ کے بارہ میں پوچھا جائے جو برہما یا خدا تک پہنچاتا ہے تو وہ راستہ بتانے میں کسی مشکل یا شک میں مبتلا نہیں ہو گا۔ کیونکہ اے واسیتا! میں برہما یعنی خدا اور اس تک پہنچنے کے راستوں سے اچھی طرح واقف ہوں۔ اور ہاں، میں انہیں یوں پہچانتا ہوں جیسے میں اس عالم کا حصہ ہوں اور وہیں پیدا ہوا ہوں۔"[1]

حضرت بدھؑ کا موقف تھا کہ مناسا کٹا کے رہنے والوں کو وہاں جانے والے راستوں کا بخوبی علم ہونا چاہئے۔ اسی طرح تعلق باللہ کے دعویدار کو خدا کی طرف جانے والے راستوں کا علم ہونا چاہئے۔ اور یہ تبھی ممکن ہے جب وہ واقعۃً خدا کی طرف سے آیا ہو اور اس کا عرفان رکھتا ہو۔ حضرت بدھؑ کے سوال و جواب سے صاف ظاہر تھا کہ ان دونوں کے کسی بھی گورو (استاد) نے نہ تو کبھی خدا کو دیکھا تھا اور نہ ہی انہیں خدا کی معرفت حاصل تھی۔ اس لئے خدا کی ہستی کی شناخت ان کی سمجھ سے بالا تھی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس مکالمہ میں بدھ کے دلائل سے یہ غلط فہمی پیدا ہو گئی ہو کہ وہ اس لئے خدا کے وجود کا انکار کر رہے ہیں کہ اسے کسی نے نہیں دیکھا۔ در حقیقت مترجم نے اپنی کتاب کے دیباچہ میں اِس مکالمہ سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ:

"اگر تم برہما سے ملنا چاہتے ہو (تم جیسوں کیلئے بہتر ہے کہ تم اس کی خواہش نہ ہی کرو) تو اسے حاصل کرنے کا یہی رستہ ہے۔"[2]

اس مکالمہ کے تجزیہ سے ظاہر ہے کہ حضرت بدھؑ نے جو بات پورے وثوق سے بیان کی ہے مصنف اسے سمجھنے میں ناکام رہا ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ کس طرح بعض محققین ان بدھ بھکشوؤں کے عقائد سے متاثر ہوئے ہیں جنہوں نے حضرت بدھؑ کی اپنے زمانہ کے پنڈتوں کے خلاف عظیم جدوجہد کو غلط سمجھا ہے۔ حضرت بدھؑ نے قطعی طور پر ان توہم پرست عقائد اور بتوں کا انکار کیا تھا جن کے ماننے والوں نے کبھی خدا تعالیٰ کو دیکھا، نہ سنا۔ لیکن حضرت بدھؑ کا جواب یہیں ختم نہیں ہو جاتا بلکہ ان کا دعویٰ تھا کہ تتھا گتا (Tathagata) کیلئے خدا کی طرف رہنمائی کوئی مشکل بات نہیں۔ انہوں نے یہ بھی دعویٰ کیا کہ وہ خود بھی انسان کی خدا کی طرف رہنمائی کر سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ خدا کی طرف سے مامور کئے گئے ہیں اور ان کا خدا کے ساتھ زندہ تعلق ہے۔

---

[1] MAX MULLER, F. (1881) The Sacred Books of the East. Vol. XI, Clarendon Press, Oxford, p.186
[2] MAX MULLER, F. (1992) Dialogues of The Buddha I. The Pali Text Society, Oxford, p.299

اب یہ امر واضح ہو چکا ہے کہ حضرت بدھؒ کا خدائے بزرگ و برتر پر پورا ایمان تھا جس نے انہیں مبعوث کیا تھا۔ جس طرح مناساکٹا(Manasakata) کے لوگ اپنے گاؤں کی طرف جانے والے راستوں سے واقف تھے اس سے کہیں بڑھ کر حضرت بدھؒ کو خدا کا عرفان حاصل تھا۔ چنانچہ انہوں نے بڑی تحدی سے دعویٰ کیا کہ ان کا خدا کے ساتھ مسلسل زندہ تعلق ہے۔ یہ مقام خدا کے قرب کے حوالہ سے محض الہام پانے کی نسبت کہیں زیادہ بلند تر ہے۔ بہت سے بزرگ انبیاء کا یہی دعویٰ ہے کہ موت سے پہلے اس دنیا میں ہی ان کا خدا کے ساتھ ایک زندہ اور دائمی تعلق قائم ہو جاتا ہے۔ یعنی تمام انبیاء کو خدا کی طرف سے اس تعلق کا تجربہ حاصل ہوتا ہے اور حضرت بدھؒ بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ حضرت بدھؒ خدا کو برہما اس لئے کہتے تھے کہ ہندو اپنے دیوتاؤں کے ذکر میں اس اصطلاح کو خدائے عظیم کیلئے استعمال کیا کرتے تھے۔ لہٰذا جوں جوں گفتگو آگے بڑھتی رہی بات اور بھی واضح ہوتی چلی گئی۔

حضرت بدھؒ کی بات مکمل ہونے پر نوجوان برہمن واسیتا نے اس مقدس ہستی کی خدمت میں عرض کی:

"گوتما! مجھے معلوم ہوا ہے کہ سامانا(Samana) گوتما خدا کے پانے کا طریق جانتے ہیں۔ یہ درست ہے! ہم قابل احترام گوتما کی خدمت میں درخواست کرتے ہیں کہ ہماری رہنمائی اُس رستے کی طرف فرمائیں جو برہما کی طرف لے کر جاتا ہے۔ اے عظیم گوتما! ہماری نسل کو تباہی سے بچالیں۔"[1]

اس حوالہ سے حضرت بدھؒ واسیتا کی دعا اور خواہش کو رد نہیں کرتے۔ یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ جو کچھ حضرت بدھؒ نے خدا اور اس کے پیاروں سے تعلق کے بارہ میں فرمایا تھا وہ سچ تھا۔ وہ لوگ جو ذات پات کی تمیز کے بغیر خدا کی آواز پر لبیک کہتے ہیں، ان پر خدا تک پہنچنے کی راہ آسان کر دی جاتی ہے۔ جس شخص کے دل میں خوفِ خدا ہو وہ غصہ "حسد" بغض اور دیگر نفسانی خواہشات سے مغلوب نہیں ہوتا۔ اس کے بعد ہی انسان خدائی صفات کو اپنا سکتا ہے۔ خدا کے بارہ میں حضرت بدھؒ کا عقیدہ جاننے کیلئے یہ گفتگو نہایت اہم ہے۔

پھر حضرت بدھؒ کو ان کے ماننے والوں نے غلط کیوں سمجھا؟ اس سوال کا جواب غالباً بدھمت کی ابتدائی تاریخ سے مل سکتا ہے جب نئے ابھرتے ہوئے بدھ مت کا ٹکراؤ برہمن مذہب کی قدیم روایات سے ہوا۔ ممکن ہے کہ اس وقت حضرت بدھؒ کے ماننے والوں نے اپنے پرانے خیالات جان بوجھ کر ان کی طرف منسوب کر دیئے ہوں یا وہ ان کی تعلیم کے بارہ میں دیانتدارانہ طور پر غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہوں۔ جب حضرت بدھؒ نے برہمنوں کی مروجہ بت پرستی کے خلاف آواز اٹھائی تو ان پر الحاد کا الزام لگایا گیا۔ بااثر برہمنوں نے یہ تحریک اس زور سے چلائی کہ اس شور و غوغا میں حضرت بدھؒ کی آواز

[1] MAX MULLER, F. (1881) The Sacred Books of the East. Vol. XI, Clarendon Press, Oxford, p. 186

دب کر رہ گئی۔

رسل و رسائل کی مشکلات اور لکھنے کی سہولتیں میسر نہ ہونے کی وجہ سے کوئی بعید نہیں کہ اس تحریک کا اثر ہندوؤں کے ساتھ ساتھ خود حضرت بدھؑ کے پیروکاروں پر بھی ہوا ہو اور انجام کار وہ اس بات پر یقین کرنے لگے ہوں کہ حضرت بدھؑ نے ہندو دیوتاؤں کو یکسر مسترد کر دیا ہے۔ چنانچہ یہ تاثر عام ہو گیا کہ حضرت گوتم بدھؑ نے ہندو دیوتاؤں کا انکار کیا ہے اور اکثر لوگ انہیں ملحد سمجھنے لگے۔

البتہ ان کے ماننے والوں کی اطاعت میں کوئی فرق نہ آیا۔ وہ حضرت بدھؑ کو ایک شفیق، محبت کرنے والا، نرم دل، کامل اور انتہائی دانشمند استاد مانتے تھے۔ ہم اس زمانہ کی بات کر رہے ہیں جب خواندگی بہت ہی کم تھی۔ لوگ اکثر سنی سنائی باتوں پر فیصلے کیا کرتے تھے۔ اس لئے عین ممکن ہے کہ حضرت بدھؑ کے ماننے والے بھی اس تحریک کی رو میں بہہ گئے ہوں۔ لیکن اس سے ان کی وفاداری میں کوئی فرق نہ آیا۔ ان کیلئے حضرت بدھؑ کا عقل کل ہونا ہی کافی تھا۔ وہ ان کا احترام دل کی گہرائیوں سے کرتے اور رفتہ رفتہ غیر محسوس طریق پر ملحد قرار دیئے جانے والے اس محبوب اور دانشمند استاد کا احترام خدا کی مانند کیا جانے لگا۔

مذہب کی تاریخ میں ایسا پہلی دفعہ نہیں ہوا کہ پروہتوں اور بعض دیگر انسانوں کو دیوتاؤں کا مقام دے دیا جائے۔ لہٰذا حضرت بدھؑ کے تعلق میں ان کے پیروکاروں کی تمام تر محبت اور توجہ ان پر ہی مرکوز رہی جنہیں وہ انسانی حسن کا ایک کامل نمونہ سمجھتے تھے۔ اساطیری داستانوں کی طرح حضرت بدھؑ کو روایتی دیوتا تو نہیں بنایا گیا مگر ان کیلئے یہی کافی تھا کہ وہ اپنے عقائد کی ایک انتہا پر برہمن کو اور دوسری پر حضرت بدھؑ کو جگہ دیں۔ ان کے نزدیک برہمن کسی دیومالائی وجود کے نمائندہ اور حضرت بدھؑ سچائی، دانشمندی اور عقلمندی کا مجسم نمونہ تھے۔ چنانچہ بدھ مت نے تدریجاً ایسی شکل اختیار کر لی جس میں کسی فرضی خدا کے تصور کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ فطرت انسانی میں موجود ایمان باللہ کی خواہش نے رفتہ رفتہ حضرت بدھؑ کو اس مقام پر فائز کر دیا۔ چنانچہ چوتھی صدی میں حضرت بدھؑ نے دانشوری کے سرچشمہ کی حیثیت سے جس سفر کا آغاز کیا اس کی وجہ سے وہ اپنے ماننے والوں کی نظر میں عام لادینی فلسفیوں کی نسبت بہت بلند مقام پر فائز ہو گئے اور جلد ہی عام دانشمندی کی علامت سے بالاتر عزت و احترام کے اس مقام کو پا لیا جو مذاہب عالم میں خدا یا دیوتاؤں کیلئے خاص ہے۔

یہاں ہم صرف چند سالوں کی بات نہیں کر رہے ہیں۔ بدھ مت پر الحاد کا منحوس سایہ پڑنے میں صدیاں لگ گئیں۔ اسی طرح حضرت بدھؑ کو خدا کا نام دیئے بغیر خدا کا مقام دینے میں بھی اُن کے پیروکاروں کو صدیاں لگی ہوں گی۔ جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے حضرت بدھؑ کے ماننے والوں میں رفتہ رفتہ ایسی تبدیلی آتی گئی جس کے نتیجہ میں وہ ایمان باللہ سے

آہستہ آہستہ دور ہوتے چلے گئے اور بالآخر خدا کے وجود کا ہی انکار کر بیٹھے۔ اور یہ محض ایک اندازہ نہیں بلکہ بدھ مت کے بغور مطالعہ کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ حضرت بدھؑ موحّد تھے اور انہوں نے شرک کو مسترد کر دیا تھا۔ یہ تاثر مخالفین کی انتہائی کوشش کے باوجود پہلی تین صدیوں تک بڑی شان و شوکت کے ساتھ قائم رہا۔

اب ہم قاری کی توجہ اس دور کی طرف مبذول کراتے ہیں جب عظیم بادشاہ اشوکا نے سلطنت کے وسیع و عریض خطہ پر، جو ہندوستان سے افغانستان تک پھیلا ہوا تھا، حکومت کی۔ اشوکا کو حضرت بدھؑ کی تعلیم اور طرزِ زندگی کے بارہ میں مستند حیثیت حاصل ہے اور اس نے حضرت بدھؑ کو خدا کے ایک ایسے نبی کے طور پر پیش کیا جن کی تعلیم وحیٔ الٰہی پر مبنی تھی۔ چنانچہ انہوں نے دنیا کو وہی تعلیم دی جس کی ذمہ داری خدا تعالیٰ کی طرف سے ان کو سونپی گئی تھی۔ اشوکا کے اس مسلک کے نقوش تاریخ کی الواح پر آج بھی کندہ ہیں۔

ترکِ دنیا یا فرار:

ترک دنیا اور دنیوی علائق سے کنارہ کشی کے متعلق عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ بدھ مت کے ماننے والوں کے نزدیک یہی وہ آخری ذرائع ہیں جو دکھ درد سے آزادی اور مکمل نجات دلاتے ہیں۔ روزمرہ کی خواہشات کے معاملہ میں روح اور زندگی کی باہمی کشمکش کو ایک زاہد و عابد ہی سمجھ سکتا ہے۔ غیر معمولی صبر اور مصمّم ارادہ کے بغیر یہ مہم ناقابل تسخیر دکھائی دیتی ہے۔ لیکن بدھ مت کے ماننے والوں کے نزدیک اسی میں امید کی کرن دکھائی دیتی ہے۔ مادی دنیا سے مکمل کنارہ کشی اور دنیوی لذّات سے کلیۃً اجتناب ہی نِروان اور ابدی نجات کا واحد راستہ ہے۔

اسی لئے حضرت بدھؑ کے پیروکاروں کا دعویٰ ہے کہ درحقیقت اپنے جذبات کی کلیۃً نفی ہی کامل سچائی ہے۔ کیونکہ طاقت اور دولت کی ہوس حتیٰ کہ دوسروں سے بے لوث محبت میں ناکامی، روحانی اذیت اور احساسِ محرومی پر منتج ہوتی ہے۔ اسی طرح نفرت کا احساس ذہنی سکون کو برباد کر کے رکھ دیتا ہے۔ بدھ مت کے نزدیک ایسے تمام جذبات انسان کی روحانی قوتوں کو کمزور کر دیتے ہیں۔ اس بات کی اہمیت اس سے بھی ظاہر ہے کہ چونکہ انسان کی فطرت تبدیل نہیں کی جاسکتی اور نہ ہی اس کی هَلۡ مِنۡ مَّزِيۡدٍ۔ (ق: 31) کی خواہش ختم ہو سکتی ہے لہٰذا کامل اطمینان مادی دنیا سے تعلق توڑے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔

اس طرح حضرت بدھؑ کے ماننے والوں کیلئے ترک دنیا کے لمبے سفر کا آغاز ہوتا ہے جو بالآخر نجات پر منتج ہوتا ہے۔ انہیں آرام دہ زندگی کیلئے درکار تمام لذّات کو چھوڑنا پڑتا ہے اور حواسِ خمسہ کے خلاف ایک مستقل جدوجہد کرنا ہوتی ہے۔ یعنی قوت بصارت، سماعت، ذائقہ، شامّہ اور لامسہ غرضیکہ ان تمام احساسات کی نفی ضروری ہے جو انسان کو کسی نہ کسی طرح

بے چینی میں مبتلا کر دیا کرتے ہیں۔ ان کی کوشش ہوتی ہے کہ ان حالات ہی سے بچا جائے جن کی وجہ سے انسان مصیبت میں مبتلا ہوتا اور مادی خواہشات کا غلام بن کر رہ جاتا ہے۔ الغرض مادی خواہشات کی نفی سے امن اور سکون کے حصول کیلئے بدھ مت کا یہ تصور دراصل فرار ہی کا دوسرا نام ہے۔ بالفاظ دیگر اگر زندگی دوبھر ہے تو موت ہی اس کا واحد حل ہے۔

وہ اپنے گھٹیا جذبات کو روح کے تابع کرنے کی جدوجہد کی بجائے روح کو یہ مشورہ دیتے ہیں کہ وہ زندگی کی اس کشمکش سے فرار کا راستہ اختیار کرلے۔ ان کے نزدیک چونکہ انانیت کو تسکین دینے والا ہر احساس گھٹیا، سفلی، محض مادی اور رذیل ہوا کرتا ہے اس لئے انجام کار 'انا' کے اعلیٰ ترین مفاد کی خاطر اسے قربان کر دینا چاہئے۔ حقیقت یہ ہے کہ فرار کے نتیجہ میں حاصل ہونے والا سکون زندگی کی نفی کے مترادف ہو گا۔

سکون دو قسم کا ہو سکتا ہے۔ موت کو بھی سکون کا نام دیا جا سکتا ہے۔ موت اور سکون میں فرق کرنا کوئی آسان نہیں۔ مثلاً شکست سے سمجھوتہ اور بے عزتی پر راضی رہنا ہمارے اس نقطۂ نگاہ کی وضاحت کرتا ہے۔ فتح کے نتیجہ میں حاصل ہونے والا اطمینان اور شکست کے بعد امن بظاہر ایک سے لگتے ہیں لیکن دراصل ان میں بُعدالمشرقین ہے۔ اگر ایک زندگی ہے تو دوسرا موت۔ باہمی اختلافات اور تضادات کی وجہ سے مذاہب کی پہچان اور ان میں امتیاز بعض اوقات مشکل ہو جاتا ہے۔ بظاہر ہر مذہب ایک اطمینان بخش انجام کی طرف رغبت دلاتا ہے تاہم بعض ایسے ہیں جو آرام سے موت کے آگے ہتھیار ڈالنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ جبکہ بعض کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ کسی عظیم الشان مقصد کیلئے اپنی جان کی قربانی بھی پیش کر سکیں۔ ان میں ایسے بھی ہیں جو بدی کے خلاف اعلان جنگ کرتے ہیں اور اخلاقیات سے نبرد آزما تمام چیلنجوں کا نہایت دلیری سے مقابلہ کر کے انہیں ہر قیمت پر شکست دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک اس طرح حاصل ہونے والا روحانی سکون ہی حقیقی نروان کہلا سکتا ہے۔

بدھ مت جیسے زوال پذیر مذاہب اپنے ماننے والوں کو نصیحت کرتے ہیں کہ وہ فرار کے ذریعہ سکون کی پناہ گاہ تلاش کریں۔ وہ انہیں تلقین کرتے ہیں کہ وہ اپنے فطری احساسات کو انگیخت کرنے والے ہر قسم کے لالچ اور تحریص سے بچنے کی کوشش کریں۔ بدھ مت کا پیروکار اپنے من کے حصار میں پناہ ڈھونڈتا ہے۔ بعض لوگوں نے اس حالت کو مبہم سے الفاظ میں خلا سے تعبیر کیا ہے جبکہ بعض اس کیفیت کو دائمی اور روحانی قرار دیتے ہیں۔ کیا اس سے ہم یہ سمجھیں کہ دونوں قسم کے خیالات کے حامل لوگ ایک ہی خدا کی بات کر رہے ہیں؟ اگرچہ اس بارہ میں بھی اختلاف ہے۔ اکثر کے نزدیک اس کیفیت کو وہی سمجھ سکتے ہیں جو اس میں سے گزر چکے ہوں اور صاحب تجربہ ہوں۔ اگر یہ کیفیت بالآخر خدا کی طرف نہیں

لے جاتی، جب کہ بہت سے بدھ علماء خدا تعالیٰ کے وجود کے ہی منکر ہیں تو پھر اس کیفیت کی صرف یہی معقول تعریف ٹھہرتی ہے کہ ایسا خلا مکمل تباہی اور کامل موت کے مترادف ہے۔ الغرض تمام فطری خواہشات کو، جن کا تعلق حواس خمسہ سے ہے اور جو زندگی کا حصہ ہیں، مکمل طور پر ردّ کر دیا جائے تا کہ کامل اطمینان یا نروان حاصل ہو۔ یقیناً سب پیروکار اس مقصد کو بیک وقت حاصل نہیں کر سکتے لیکن تمام سچے پیروکاروں سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ کوشش کرتے چلے جائیں حتیٰ کہ رفتہ رفتہ قدم بہ قدم وہ اپنی ذات کی کامل نفی کے مقام تک پہنچ جائیں۔

اس مضمون کی مزید تفہیم کے لئے مناسب ہو گا کہ ہم اس موقع پر ایک نہایت موزوں واقعہ کا ذکر کریں۔ کشمیر میں ایک بھکاری تھا جو کسی حد تک صوفی بھی تھا۔ وہ اپنی محدود ضروریات کے سوا اور کچھ نہیں مانگتا تھا اور اکثر گہری سوچ میں گم رہتا جیسے وہ اپنے اندر کسی چیز کی تلاش میں ہو۔ ایک دفعہ ایک عارف نے وہاں سے گزرتے ہوئے اسے خوشی سے ناچتے اور وجد میں رقص کرتے دیکھا۔

اس عارف نے پوچھا: ''بابا! بڑے خوش نظر آ رہے ہو، تم پہلے والے بھکاری تو نہیں لگتے۔ کوئی خزانہ وغیرہ تو نہیں مل گیا تمہیں؟''

''تم ٹھیک کہتے ہو۔ مجھے ایک بیش بہا خزانہ ملا ہے۔ جب کسی کی ساری خواہشات پوری ہو جائیں تو وہ خوش کیوں نہ ہو؟'' بھکاری نے جواب دیا۔

یہ سن کر عارف نے کہا ''خود کو دیکھا بھی ہے تم نے؟ چیتھڑوں میں پھر رہے ہو اور تمہارا سارا جسم مٹی سے اٹا پڑا ہے۔ پھر بھی تم کہہ رہے ہو کہ تمہاری ساری تمنائیں پوری ہو گئی ہیں؟''

بھکاری نے کمال بے اعتنائی سے جواب دیا: ''بات یہ ہے برخوردار، کہ انسان کی ساری خواہشیں پوری ہونے کا صرف ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ یہ کہ اس کی کوئی خواہش ہی نہ رہے۔ میری خوشی اور وجد کا بھی یہی راز ہے۔ اب تم یہاں سے چلے جاؤ اور مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔''

یہ جواب سن کر عارف دم بخود ہو کر رہ گیا۔

لیکن اگر اس پر دوبارہ غور کیا جائے تو لا محالہ محسوس ہو گا کہ بھکاری کا جواب جتنا عمدہ تھا اتنا ہی مہمل بھی تھا۔ اس کی محدود ذات سے ہٹ کر دنیا میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ ارد گرد کا ماحول اسی طرح خرابیوں اور دکھ درد سے بھرا پڑا تھا۔ وہی ظلم و ستم، وہی استبداد اور مطلق العنانی تھی اور پھر بھکاری کو بھی زندہ رہنے کیلئے کچھ نہ کچھ تو بہر حال درکار تھا۔

حسبِ معمول غذا پانی اور ہوا اس کے لئے ناگزیر تھے۔ بالفاظ دیگر انسان خواہشات سے نجات حاصل کر بھی لے تو اس کے لئے ضروریات سے نجات بہر حال ممکن نہیں۔

جو تبدیلی بھی ہوئی وہ بھکاری کی ذات سے متعلق تھی۔ لیکن کسے معلوم کہ تبدیلی مستقل تھی یا محض عارضی؟ ہو سکتا ہے کہ سخت سرد رات میں اپنے ماحول کو گرم رکھنے کیلئے اس نے بھی ایک انگیٹھی، کچھ کپڑوں اور سر چھپانے کیلئے جگہ کی ضرورت محسوس کی ہو، بیماری کی حالت میں کسی معالج کی خواہش کی ہو اور اس کے جلد پہنچنے کا منتظر بھی رہا ہو۔ محض ارادہ سے، خواہ کتنا ہی مصمم کیوں نہ ہو، وہ کس طرح زندگی کے تلخ حقائق پر قابو پاسکے گا؟ شاید ایک بدھ بھکشو ہی اس کا جواب جانتا ہو۔ اس سارے عمل میں خالی قناعت پسندی کے ذہنی احساس کے سوا کچھ بھی تو نہیں۔ ترک دنیا کی کیفیت در حقیقت کامل بے بسی کا نتیجہ تھی جسے چاہے سکون کا نام دیں یا موت کا، اسے حقیقی نِروان بہر حال نہیں کہا جا سکتا۔

ہندوستان کے دو بڑے مذاہب یعنی ہندو مت اور بدھ مت اس نظریہ پر مضبوطی کے ساتھ قائم ہو گئے کہ سکونِ قلب کا حصول ضروریات زندگی کو مسترد کر کے ہی ممکن ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ نظریہ زندہ رہنے کی جدوجہد اور بقائے اصلح سے متصادم ہے۔ بالفاظ دیگر اس کا مطلب ہار مان کر ناکامی کو قبول کرنا ہے۔

یہاں ہندو مت اور بدھ مت کے بانیوں کی تعلیم زیر بحث نہیں ہے۔ فقط ان کے ہزاروں سال سے زوال پذیر فلسفوں کے نتائج کو پرکھنا مقصود ہے۔ یہ دونوں مذاہب اپنے الہامی منبع سے بہت دور جا چکے ہیں۔ در حقیقت انہوں نے وہی راستہ اختیار کر لیا ہے جو دنیا کے دیگر بڑے بڑے مذاہب کے صوفیوں اور عارفوں نے کیا۔ جہاں تک مؤخر الذکر طبقہ کا تعلق ہے تو وہ توحید سے اپنا تعلق توڑے بغیر الہامی مذہب کے دائرہ میں رہتے ہوئے اپنے روحانی تجربات سے گزرتے ہیں جن کا تعلق الہام کی بجائے وجدان سے ہوتا ہے۔

جہاں تک ہندو مت اور بدھ مت میں یوگا فلسفہ کا تعلق ہے دونوں مذاہب کلیۃً اپنی اپنی روایتی تعلیم سے دور چلے گئے ہیں یہاں تک کہ ان میں بنیادی تعلیم کا نشان تک نہیں ملتا۔ حضرت بدھؑ کی روشن خیالی کا ذریعہ تو الہام تھا لیکن بعد کے زمانہ میں وجدان، غور و فکر اور مراقبہ نے الہام کی جگہ لے لی۔ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ اوائل میں بدھ مت کی تعلیمات ہندو مت کی تعلیمات سے بالکل مختلف تھیں لیکن بعد میں یوگا کی فلاسفی اور عملی طریق میں دونوں مذاہب ایک ہو گئے۔ حیرت کی بات ہے کہ یوگا کی تعلیمات کا ذکر پہلی دفعہ مزعومہ مذہبی دستاویز تنتراس (Tantras) میں ملتا ہے جو حضرت بدھؑ کے پانچ سو سال بعد مرتّب ہوئی۔ یہ دستاویزات صرف اونچے درجہ کے مذہبی رہنماؤں کیلئے مخصوص تھیں اور عام

لوگوں سے سخت قسم کی رازداری میں رکھی جاتی تھیں۔ اس راز کو مزید چھپانے کیلئے ان دستاویزات میں ایسی پیچیدہ زبان اور اصطلاحات استعمال کی گئی تھیں جو عام لوگوں کی سمجھ سے بالا تھیں۔ کافی عرصہ بعد جب تنتراس تک محققین کی رسائی ہوئی تو وہ اس کا متن دیکھ کر حیران رہ گئے کیونکہ یہ مزعومہ مقدس دستاویزات نہایت گندی اور غیر اخلاقی داستانوں سے بھری ہوئی تھیں۔ ان میں بھوت پریت اور شیطانی وجودوں کا ذکر ملتا ہے۔ علاوہ ازیں ان میں نہایت فحش زبان میں شہوات اور جنسی تعلقات کا ذکر اس انداز سے کیا گیا ہے جس سے ایک شریف انسان کو شدید دھچکا لگتا ہے۔ اس لحاظ سے تنتراس میں پائی جانے والی یوگا کی تعلیم کا بدھ کے پاک کلام سے دور کا بھی تعلق نہیں۔

عین ممکن ہے کہ عفریتوں اور شہوات کا ذکر محض علامت کے طور پر ہو۔ موجودہ زمانہ کے پنڈتوں میں سے شاید کوئی بھی اس پیچیدہ اور خفیہ زبان کو سمجھ نہ سکے۔ غالباً دوہزار سال پہلے بدھ مت کے ان مذہبی پیشواؤں نے ان پیچیدہ اصطلاحات کو ایجاد کیا اور وہی ان کے معانی سے واقف تھے۔ لیکن ان کو گزرے ہوئے مدت ہو چکی اور تنتراس کا زمانہ بھی ان کے ساتھ ہی ختم ہو گیا۔ تاہم تنتراس کی پیچیدہ زبان کے باوجود ''یوگا'' آج بھی زندہ ہے اور ایسے بہت سے ماہرین اب بھی موجود ہیں جو تنتراس میں مذکور ''یوگا'' کی اس پوشیدہ سائنس کو سمجھتے ہیں اور اس پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔

ہندومت اور بدھ مت میں پائے جانے والے یوگا کے تصور اور اس پر عملدرآمد کے طریق میں واضح تفریق کرنا مشکل کام ہے۔ ان میں چھوٹے چھوٹے اختلافات محض اصطلاحات کی حد تک ہیں۔ خواہ ہم انہیں ہندو سادھو کہیں یا بدھ بھکشو، اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ دونوں خدا کی خاطر رہبانیت یا ترکِ دنیا کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اس مفہوم اور تصور کو کسی بھی نام سے پکاریں ان کے روحانی تشخص پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ جو کچھ بھی انہیں حاصل ہوا اور جو بھی روشن خیالی ان کے حصہ میں آئی ان میں سے کوئی بھی اپنے موضوعی تجربات کی بنا پر دنیا کا نقشہ تبدیل نہ کر سکا۔

حضرت بدھؑ اور حضرت کرشنؑ کو اس طبقہ میں شمار کرنا ان کی توہین ہے۔ وہ تو دراصل خدا کے دیگر انبیاء کی طرح انقلاب برپا کرنے والے تھے جن کے روحانی اور اخلاقی انقلاب کے سوتے الہام کے سرچشمہ سے پھوٹے۔ انہوں نے جھوٹ اور برائی کے خلاف جہاد کیا اور اپنی زندگی میں انتھک جدوجہد کا وہ علم بلند رکھا جس کی بنیاد محض موضوعی نہیں تھی۔ ظلمت کے خلاف ان کی یہ جدوجہد اعلانیہ، معروضی اور مسلسل جنگ تھی۔ نتیجۃً بقائے اصلح کی خاطر ایک عظیم جدوجہد کا آغاز ہوا۔ حضرت بدھؑ اور حضرت کرشنؑ کے حالاتِ زندگی سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسی طبقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ سینہ سپر ہو جانے والے لوگ تھے نہ کہ موت سے بھاگنے والے۔ ان کا ایمان وحیٔ الٰہی کا نتیجہ تھا۔ ان کی تعلیمات

نے ان کے وجدان کو جنم دیا لیکن وجدان ان کی تعلیمات کا سرچشمہ نہیں تھا۔

حضرت بدھؑ کے عصرِ حاضر کے بیشتر پیرو سمجھتے ہیں کہ ان کا مذہب محض حکمت یا بدھی ہے جو حضرت بدھؑ نے مراقبہ کے نتیجہ میں حاصل کی۔ ان کا فلسفہ اس بات کا دعویدار ہے کہ یہ سب کچھ حضرت بدھؑ کے وجدان کا نتیجہ تھا۔ وہ لوگ جو خدا پر ایمان رکھتے ہیں ان کے نزدیک عرفان ایک نفسیاتی تجربہ ہے جس میں انسان اکثر روحانی سرور محسوس کرتا ہے۔ اس روحانی کیفیت کے دوران صاحب تجربہ انتہائی سکون محسوس کرتا ہے۔ جب یہ وجدانی کیفیت جاتی رہتی ہے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ گویا اس نے زندگی کا وہ مقصد پالیا ہو جس کے حصول کے لئے بنی نوع انسان اتنی جدوجہد میں مصروف ہے۔

وہ اس نفسیاتی تجربہ کو روحانی نور کے طور پر باعث فخر محسوس کرتے اور مادیت کی غلامی سے نجات کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ جس طرح یہ تجربہ اپنی بہترین شکل میں بھی نہ تو معروضی حقائق کو بدل سکتا ہے اور نہ ہی برے لوگوں کی اصلاح کر سکتا ہے، اسی طرح یہ نہ تو غیر معلوم حقائق کو معلوم حقائق میں بدل سکتا ہے اور نہ ہی اندھیرے کو روشنی میں تبدیل کر سکتا ہے۔ وجدان میں کبھی بھی یہ صلاحیت نہیں رہی کہ وہ ماضی میں مدفون واقعات سے پردہ اٹھا سکے یا مستقبل میں جھانک کر کوئی پیشگوئی کر سکے۔ اگر ذات کی مکمل نفی کا فلسفہ اپنے منطقی انجام کو پہنچتا ہے تو یقیناً نسل انسانی کے خاتمہ پر منتج ہو گا۔ الہامی نور سے منور حضرت بدھؑ کی حکمت اور دانش کو ایک مبہم وجدان سے تعبیر کرنا، حضرت بدھؑ کی عزت افزائی نہیں۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ وجدان وہ روحانی آبِ حیات نہیں تھا جسے پی کر انہوں نے حیاتِ جاوداں پائی۔

(الہام، عقل، علم اور سچائی۔ صفحہ 115 تا 133 اردو ترجمہ "Revelation, Rationality, Knowledge and Truth" مطبوعہ انگلستان 2007ء)

❁❁❁❁❁

ہستی باری تعالیٰ

نظام کائنات خدا تعالیٰ کی ہستی کا ثبوت ہے

(ابو صریر)

جب انسان آسمان کی وسعتوں، زمین کی باریکیوں، ستاروں کی چمک، پودوں کی ساخت، اور اپنے ہی جسم کے پیچیدہ نظام پر غور کرتا ہے، تو اس کے دل میں یہ سوال ابھرتا ہے کیا یہ سب کچھ خود بخود بن گیا؟ کیا کسی ہستی نے اسے سوچ کر، ترتیب دے کر، مقصد کے ساتھ تخلیق کیا ہے؟ یہ سوال فلسفے، سائنس اور روحانیت کی تاریخ میں بار بار اٹھا ہے، اور ہر بار مختلف زاویوں سے اس کا جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس سوال کو قرآن کریم نے حقیقت کے متلاشیوں کے لیے کچھ اس طرح بیان فرمایا ہے:

تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ ٘ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُ ۙ۝ الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَ الْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ ۙ۝ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰى فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ۝ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَیْنِ یَنْقَلِبْ اِلَیْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّ هُوَ حَسِیْرٌ ۔(الملک: 2تا5)

یعنی: بس ایک وہی برکت والا ثابت ہوا جس کے قبضہ ءقدرت میں تمام بادشاہت ہے اور وہ ہر چیز پر جسے وہ چاہے دائمی قدرت رکھتا ہے۔ وہی جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون عمل کے اعتبار سے بہترین ہے۔ اور وہ کامل غلبہ والا (اور) بہت بخشنے والا ہے۔ وہی جس نے سات آسمانوں کو طبقہ در طبقہ پیدا کیا۔ تُو رحمان کی تخلیق میں کوئی تضاد نہیں دیکھتا۔ پس نظر دوڑا۔ کیا تو کوئی رخنہ دیکھ سکتا ہے؟ نظر پھر دوسری مرتبہ دوڑا، تیری طرف نظر ناکام لوٹ آئے گی اور وہ تھکی ہاری ہوگی۔

اس آیت میں انسان کو چیلنج دیا گیا ہے کہ وہ پوری کائنات پر جتنا چاہے غور کرلے، اسے اس کائنات میں ایک ہی

صانع کی صنعت ہونے کی وجہ سے کوئی تضاد نہیں ملے گا۔ یہ آیات اتفاقی تخلیق کے نظریئے کو باطل کرتی ہیں۔ اتفاقی طور پر جڑنے والی چیزوں میں کبھی کوئی سلسلہ یا نظام نہیں ہوتا بلکہ بے جوڑی ہوتی ہے۔ مثلاً، مختلف رنگوں کو کاغذ پر بکھیر دینے سے تصویر نہیں بنتی، اور اینٹوں کو ایک دوسرے پر پھینک دینے سے مکان نہیں بن جاتا۔ دنیا کا کوئی ذرہ ایسا نہیں جس میں کوئی ترتیب، حکمت یا دوسری چیز سے جوڑ اور وابستگی نہ ہو۔ ہر شے اپنے وجود سے خدا تعالیٰ کی ہستی کا ثبوت پیش کر رہی ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:

''ہماری بدنی طاقتیں ہماری تندرستی پر موقوف ہیں اور ہماری تندرستی بہت سے ایسے اسباب پر موقوف ہے کہ کچھ ان میں سے سماوی اور کچھ ارضی ہیں اور وہ سب کی سب ہماری طاقت سے بالکل باہر ہیں اور یہ تو ہم نے ایک موٹی سی بات عام لوگوں کی سمجھ کے موافق کہی ہے لیکن جس قدر درحقیقت وہ قیوم عالم اپنی علت العلل ہونے کی وجہ سے ہمارے ظاہر اور ہمارے باطن اور ہمارے اول اور ہمارے آخر اور ہمارے فَوق اور ہمارے تحت اور ہمارے یمین اور ہمارے یسار اور ہمارے دل اور ہماری جان اور ہمارے روح کی تمام طاقتوں پر احاطہ کر رہا ہے وہ ایک ایسا مسئلہ دقیق ہے جس کے کنہ تک عقول بشریہ پہنچ ہی نہیں سکتیں۔'' (براہین احمدیہ، روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 428)

مندرجہ بالا اقتباس خدا تعالیٰ کے وجود پر عقلی، فطری اور تجرباتی شہادت کو بیان کرتا ہے کہ کائنات کا اتنا منظم اور مربوط نظام بغیر کسی حکیم و علیم خالق کے ممکن نہیں کیونکہ انسانی عقلیں اس نظام کو چلانے بلکہ پوری طرح سمجھنے سے بھی عاجز ہیں، اور وہ خالق ہی علّت العلل ہے۔ یعنی تمام علتوں کی اصل علت، ہر سبب کا بنیادی سبب۔

حضرت مصلح موعود نوراللہ مرقدہ فرماتے ہیں:

''ذرا اس بات پر تو غور کرو کہ جہاں انسان میں ترقی کرنے کے قویٰ ہیں وہاں اسے اپنے خیالات کو عملی صورت میں لانے کیلئے عقل دی گئی ہے اور اس کا جسم بھی اس کے مطابق بنایا گیا ہے چونکہ اس کو محنت سے رزق کمانا تھا اس لئے اسے مادہ دیا کہ چل پھر کر اپنا رزق پیدا کرلے درخت کا رزق اگر زمین میں رکھا ہے تو اسے جڑیں دیں کہ وہ اسکے اندر سے اپنا پیٹ بھر لے۔ اگر شیر کی خوراک گوشت رکھی تو اسے شکار مارنے کیلئے ناخن دیئے۔ اور اگر گھوڑے اور بیل کیلئے گھاس کھانا مقدر کیا تو انکو ایسی گردن دی جو جھک کر گھاس پکڑ سکے اور ان کو ایسی اگر اونٹ کیلئے درختوں کے پتے اور کانٹے مقرر کئے تو اسکی گردن بھی اونچی بنائی کیا یہ سب کارخانہ اتفاق سے ہوا۔''

(دس دلائل ہستی باری تعالیٰ، انوار العلوم جلد 1 صفحہ 411)

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”... تخلیق اور انتخاب دونوں کی ذمہ دار صرف اور صرف ایک ہی ہستی ہے جو خالق کی ہے نہ کہ انتخاب کی کیونکہ انتخاب تخلیق نہیں کر سکتا... یہ نتیجہ صرف اور صرف ہستی باری تعالیٰ کی طرف رہنمائی کرتا ہے... ڈارون نے تخلیق اور انتخاب دونوں کے عمل کو انتخابِ طبعی سے منسوب کرنے کی کوشش کی... لیکن ہر ذی شعور آدمی جانتا ہے کہ تخلیق اور انتخاب دو الگ الگ کام ہیں۔ یہ بات زیادہ معقول ہے کہ خالق اپنی تخلیق میں انتخاب کا عمل بھی بروئے کار لائے... تاہم ایسے الگ الگ اور بے شعور نظامِ تخلیق اور نظامِ انتخاب کا تصور ہی محال ہے جو باہم مربوط اور ہم آہنگ بھی ہوں... تخلیقی عوامل کو بجائے خود بیک وقت چیز کی طرف منسوب کرنا اور انہیں شعور سے عاری قرار دینا باہم متعارض امور ہیں... یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ دماغ سے عاری جینز نے اپنے آپ کو خود ہی تخلیق کر لیا تھا... لیکن فہم سے عاری کسی چیز کا حیران کن مہارت کے ساتھ خود کو تخلیق کرنا ایک ناقابل یقین امر ہے۔

قرآن کریم اس معمہ کا آسان حل پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے:

وَرَبُّكَ يَخۡلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخۡتَارُ ؕ مَا كَانَ لَهُمُ الۡخِيَرَةُ ۔(القصص: 69)

ترجمہ: اور تیرا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور (اس میں سے) اختیار کرتا ہے۔ اور ان کو کوئی اختیار حاصل نہیں۔

... یہاں خدا تعالیٰ اپنے متعلق ایسا خالق ہونے کا اعلان فرماتا ہے جو (تخلیق کے ساتھ ساتھ) انتخاب پر بھی کامل قدرت رکھتا ہے۔ ایسا ہی ہونا بھی چاہئے اور بعینہٖ ایسا ہی ہے بھی... وہ انتخابِ طبعی کے عمل کو خالق کا اضافی مرتبہ بھی سونپ دینا چاہتے ہیں۔ اس طرح وہ اس بات کو ترجیح دیتے ہیں کہ فہم و فراست سے عاری اور بے شعور قانون کو انتخاب اور تخلیق کرنے والی قوت تسلیم کر لیں... ہم تو خود کو ایک ایسے خالق کی تخلیق قرار دینے کو ترجیح دیں گے جو ایک عظیم الشان ذہن کا مالک ہے اور اس بات پر قادر ہے کہ جس چیز کا ارادہ کرے اسے پورا کر لے۔“ (الہام، عقل، علم اور سچائی، صفحہ 491تا493)

حیرت کی بات تو یہ ہے کہ جب ہم ایک مختصر سی کتاب لکھی ہوئی دیکھتے ہیں تو کبھی یہ نہیں کہتے کہ یہ کتاب خود بخود لکھی گئی ہوگی۔ خواہ وہ کتاب 32 صفحات ہی کی کیوں نہ ہو۔ لیکن ایک انسان میں جو 2،3 کھرب base pairs سے لکھی ہوئی کتاب کو، اس کے خوبصورت اور کام کرتے DNA Code کو دیکھ کر بہت سے، خود کو عقلمند سمجھنے والے لوگ، بھی کہتے ہیں کہ اس Code کا کوئی لکھنے والا نہیں۔

سائنس کا تشنہ سوال: بعض مفکرین اور سائنسی مکاتبِ فکر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ کائنات ارتقائی طریقے سے، بغیر کسی ارادہ یا مداخلت کے اتفاق سے وجود میں آئی۔ ایک مشہور برطانوی حیاتیات دان رچرڈ ڈاکنز، جو جدید دہریت کے مشہور نمائندہ مفکر ہیں، اپنی کتاب The Blind Watchmaker میں لکھتے ہیں:

Natural selection, the blind, unconscious, automatic process …has no mind and no mind's eye . It does not plan for the future.[1]

مفہوماً ترجمہ: قدرتی انتخاب ایک اندھا، بے شعور، خودکار عمل ہے... جس کا کوئی ارادہ نہیں، کوئی شعور نہیں، نہ ہی یہ مستقبل کی کوئی منصوبہ بندی کرتا ہے۔

لیکن وہ یہ نہیں سوچتا کہ کیا ایک اندھا اور بے مقصد عمل، بامقصد اور باقاعدہ نظام پیدا کر سکتا ہے؟ کیا معلومات، ترتیب اور زندگی جیسی چیزیں محض حادثاتی عمل سے وجود میں آسکتی ہیں، یا ان کے لیے کسی ذی شعور، صاحبِ علم ہستی کا ہونا ضروری ہے؟

یہی وہ نکتہ ہے جہاں خالص عقل، تجربہ اور مشاہدہ ہمیں یہ سمجھنے پر مجبور کرتے ہیں کہ ترتیب اور حکمت کبھی حادثاتی طور پر پیدا نہیں ہوتیں۔ ہر منظم چیز کسی ناظم کی نشانی ہے۔ چنانچہ ڈی این اے، قدرتی قوانین، اور کائنات کی ہم آہنگی، یہ سب کسی عظیم، باعلم اور باارادہ خالق کی گواہی دیتے ہیں، نہ کہ اندھے اتفاقات کی۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”اگر خدا کا وجود نہ ہوتا تو یہ ممکن نہ تھا کہ زندگی کا سفر ہمیشہ بامقصد طور پر ایک ہی سمت میں جاری رہتا۔ ارتقا کے ہر مرحلہ پر مشکلات اور امکانات کا ایک جال بچھا تھا جن میں سے زندگی کو اپنا راستہ بنانا تھا۔ انتخاب طبعی اور بقائے اصلح کے تحت ارتقا کے رخ بدل جانے کے بے شمار امکانات تھے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حیات نے ارتقا کا ایک ہی معین راستہ کیوں اختیار کیا؟ سائنسدان اسے انتخاب طبعی سے جوڑتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ ہر مرحلہ پر یہی عمل درست راستہ چنتا رہا، حالانکہ یہ عمل اندھا اور غیر شعوری مانا جاتا ہے۔

ڈارون کی اصطلاح بقائے اصلح کی بار بار غلط تشریح کی گئی ہے کیونکہ کمزور ترین انواع بھی آج تک باقی ہیں۔ سخت مقابلہ ہو تو کچھ انواع ختم ہوتی ہیں مگر یہ کہنا درست نہیں کہ ہمیشہ موزوں ترین ہی بچتے ہیں۔ بقا کا

[1] The Blind Watchmaker by Richard Dawkins(1996 Edition) p. 5

دارومدار مخصوص حالات پر ہوتا ہے۔ بعض اوقات بہتر خصوصیات رکھنے والے جاندار بھی ختم ہو جاتے ہیں اور کمزور بچ جاتے ہیں۔

انتخاب طبعی اندھا عمل ہے جو حادثاتی طور پر بعض انواع کا انتخاب کرتا اور باقی کو ختم کر دیتا ہے۔ کروموسومز اور جینز بیرونی حالات سے محفوظ ہیں لہٰذا انتخاب طبعی بیرونی ضروریات کے مطابق اندر تبدیلی پیدا نہیں کر سکتا۔ یہ صرف اس وقت عمل میں آتا ہے جب جینیاتی تبدیلیوں سے متبادل راستے کھلیں اور جو جاندار سب سے زیادہ موزوں ہوں وہ زندہ رہیں۔ لیکن یہ سمجھنا کہ یہ عمل ہمیشہ بہترین کو چنتا ہے غلط ہے۔

اتفاقی تغیرات اگر ایک قدم آگے بڑھاتے تو لاکھوں قدم پیچھے لڑھک جانا چاہئے تھا، مگر ارتقا مسلسل آگے بڑھتا رہا۔ یہ ممکن نہیں کہ اندھے تغیرات نے ہمیشہ صحیح سمت میں ترقی کی ہو۔ اگر یہ سب محض اتفاقات ہوتے تو ارتقا کا سفر ضائع ہو جاتا۔

آنکھ کی مثال لیجئے۔ محض اتفاق سے بننے والے تغیرات زیادہ امکان رکھتے ہیں کہ ترتیب کو بگاڑیں بجائے اس کے کہ صحیح جگہ آنکھ، کان اور زبان تخلیق کریں۔ قدرتی طور پر جو بھی تبدیلی آتی ہے وہ فائدہ مند ہوتی ہے، ورنہ ختم ہو جاتی ہے۔ یہ ظاہر کرتا ہے کہ ایک اعلیٰ منصوبہ کار ہستی کا عمل دخل ہے۔

اس طرح واضح ہوتا ہے کہ انتخاب طبعی کا عمل کسی اعلیٰ معیار کو ملحوظ نہیں رکھتا بلکہ جو طاقتور ہوتا ہے وہ جیتتا ہے۔ لیکن ارتقا کا مسلسل بامقصد سفر اور حواس خمسہ کی بہترین ساخت اس بات کا ثبوت ہے کہ پس پردہ ایک علیم و خبیر خالق موجود ہے جو ہر مرحلہ پر درست انتخاب کرتا ہے۔"(الہام، عقل، علم اور سچائی، صفحہ 365 تا 375)

ڈاکنز کے اس معمہ کے متعلق ایک مشہور سائنسدان ولیم پیلے (William Paley) اپنی کتاب Natural Theology کے پہلے باب میں بیان کرتے ہیں جس کا اردو ترجمہ یہ ہے کہ:

"... جب ہم گھڑی کا معائنہ کرتے ہیں تو ہمیں اس کے مختلف حصے کسی مقصد کے تحت بنے ہوئے اور ایک خاص ترتیب میں جڑے ہوئے نظر آتے ہیں مثلاً وہ حرکت پیدا کرتے ہیں اور وہ حرکت وقت بتانے کے لئے باقاعدگی سے چلتی ہے... نتیجہ بالکل واضح ہے۔ یہ گھڑی کسی بنانے والے کی بنائی ہوئی ہے کسی کاریگر نے اسے کسی مقصد کے لئے بنایا اس نے اس کا ڈھانچہ سمجھا اور اسے اس مقصد کے لئے ڈیزائن کیا۔"[1]

[1] Natural theology by William Paley Chapter 1 p. 1,2

اگر ہم ڈاکنز کے مطابق کائنات کو محض اتفاق کا نتیجہ سمجھیں تو پھر ہمیں ہر طرف بے ترتیبی، تصادم اور ابہام نظر آنا چاہیئے۔ لیکن جب ہم دن اور رات کی ترتیب، سورج کی متعین روشنی، پانی کے بخارات بننے سے بادل بننے کا عمل، حیاتیاتی نظام، موسموں کی آمد و رفت، پودوں کی افزائش، جانوروں کی بقا کے اصول، حتیٰ کہ انسانی دماغ کی پیچیدگی کو دیکھتے ہیں، تو ہر چیز ایک ترتیب، ایک اصول اور ایک مقصد کے تابع دکھائی دیتی ہے۔

بنیادی نقطہ یہ ہے کہ کائنات اور اس میں موجود اشیاء، بالخصوص جاندار، جس طرح ایک خاص ترتیب، پیچیدہ ساخت اور واضح مقصد کے ساتھ بنی ہوئی نظر آتی ہیں، وہ اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ انہیں کسی انتہائی ذہین، باشعور اور قادرِ مطلق ہستی نے تخلیق کیا ہے۔ یہ دلیل کسی بھی چیز کی خوبصورتی اور تنظیم سے اس کے بنانے والے کی حکمت اور قدرت کو پرکھنے کے انسانی فطری رجحان پر مبنی ہے۔ ایک عمدہ تصویر دیکھ کر فوری طور پر یہ خیال آتا ہے کہ اسے کسی ماہر مصور نے بنایا ہے، اور ایک نفاست سے لکھی ہوئی تحریر کسی بہترین کاتب کی ہنر مندی کا پتا دیتی ہے۔ جس قدر کسی صنعت میں ربط اور ہم آہنگی بڑھتی ہے، اسی قدر اس کے صناع کی خوبی اور بڑائی ذہن نشین ہوتی جاتی ہے۔ پھر یہ کس طرح تصور کیا جاسکتا ہے کہ ایسی منظم و مرتب دنیا خود بخود معرضِ وجود میں آگئی ہو؟

یہی شعور بتاتا ہے کہ: اگر انسان کے لیے پھیپھڑے بنائے تو اس کے لیے ہوا بھی پیدا کی؛ اگر پانی پر اس کی زندگی رکھی تو سورج کے ذریعے بادلوں کی معرفت اسے پانی پہنچایا؛ اگر آنکھیں دیں تو ان کو کارآمد بنانے کے لیے سورج کی روشنی بھی دی؛ کان دیے تو خوبصورت آوازیں بھی پیدا کیں؛ زبان کے ساتھ ذائقہ دار چیزیں عطا فرمائیں؛ ناک پیدا کیا تو خوشبو بھی مہیا کر دی، وہاں اُن کے لوازمات بھی موجود ہیں، ہزاروں بیماریاں پیدا کیں ان کے علاج بنا دیئے، بچھو بوٹی جسکے چھونے سے خارش ہونے لگ جاتی ہے پیدا کی اور اس نے اس کے ساتھ پالک کا پودا لگا دیا کہ اس کا علاج ہو جائے۔

یہ نظم کاملہ ایک ایسی شہادت ہے جو نہ صرف فلسفہ و سائنس کو خاموش کر دیتی ہے، بلکہ فطرت انسانی کو قائل بھی کرتی ہے۔ اسی لیے آخر میں انسان کو صرف دلیل سے نہیں، دل سے بھی کہنا پڑتا ہے:

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا۔ (اٰل عمران: 191)

عاقل را اشارہ کافی است۔

کیا کوئی مسبب بغیر سبب کے ہو سکتا ہے؟

فرض کریں کہ کسی انسان کی آنکھ کھلے اور وہ خود کو ایک انتہائی خوبصورت، دل لبھا دینے والے سجے ہوئے گھر میں پائے۔ نہ کوئی جانی پہچانی چیز ہو، نہ کوئی آواز، نہ کوئی نشانی تو اُس کے ذہن میں پہلا سوال کیا اُبھرے گا؟ یقیناً یہی کہ ''مجھے یہاں کون لایا ہے؟'' اور ''یہ گھر کس کا ہے؟ اور کس نے اسے بنایا اور سجایا ہے؟''

یہ سوال صرف حیرت کا اظہار نہیں بلکہ انسانی شعور کی سب سے بنیادی حرکت ہے یعنی کسی اثر کے پیچھے سبب تلاش کرنا۔ یہ سوال دراصل انسان کی فطرت میں پیوست اس قانون کی آواز ہے کہ ''کوئی شے بغیر سبب کے وجود میں نہیں آتی''

درحقیقت، یہی وہ بنیادی سوال ہے جس کی جوت انسان کے دل میں لگائی گئی ہے۔ یعنی: ''میں کون ہوں؟ مجھے کس نے پیدا کیا؟ یہ دنیا کیوں ہے؟ اور اس سب کا سبب کیا ہے؟'' مگر زندگی کی بھاگ دوڑ، دنیا کی فکریں، روزمرّہ کے مسائل، اور ذہنی الجھنوں نے ان سوالات کو کہیں دل و دماغ کی تہوں میں دفن کر دیا ہے۔ انسان وہی ہے، سوال وہی ہے، لیکن سوچنے کی فرصت اور سننے کا حوصلہ مٹتا جا رہا ہے۔

اگر ہم تھوڑی دیر کو ان دنیاوی شوروں کو خاموش کر دیں، اور اپنی فطرت کی اُس اصل آواز کی طرف لوٹیں، تو ہمیں ہر طرف ''سبب'' کی تلاش نظر آئے گی۔ ہماری عقل، مشاہدہ، تجربہ، اور سائنس سب اس ایک اصول پر قائم ہیں کہ ''ہر اثر کے پیچھے ایک علت (سبب) ہوتی ہے۔'' تو جب یہ کائنات ایک عظیم اثر (effect) ہے، تو اُس کا کوئی عظیم سبب (cause) بھی ہونا چاہیئے۔

یہی وہ بنیادی سوال ہے جس پر یہ مضمون غور کرے گا۔

فلسفیانہ و سائنسی بنیاد: قانونِ علیّت (Causality)

دنیا کا کوئی بھی مفکر، سائنسدان یا عام انسان اس اصول سے انکار نہیں کر سکتا کہ ''ہر واقعہ کے پیچھے کوئی سبب ہوتا ہے'' فلسفہ اُرسطو سے لے کر کانٹ، ڈیکارٹ تک تمام مفکرین نے (Causality) کو انسانی شعور کی بنیاد مانا ہے۔ اب ذرا سا غور کریں تو سائنس کی ہر تھیوری اسی اصول پر ہی کھڑی ہے۔

چنانچہ بڑے بڑے فلاسفرز اور سائنسدان کسی نے کسی طور سے سبب اور مسبب کے قائل ہیں مثلاً: Thomas

Aquinas جو کہ مشہور (Philosopher & Theologian) تھا کہتا ہے کہ:

There is no case known (neither, indeed, is it possible) in which a thing is found to be the efficient cause of itself; for so it would be prior to itself, which would be impossible. Now in efficient causes it is not possible to go on to infinity ...Therefore it is necessary to admit a first efficient cause, to which everyone gives the name of God.

مفہوماً ترجمہ: ایسا کوئی واقعہ نہ کبھی دیکھا گیا ہے (اور نہ ہی یہ ممکن ہے) کہ کوئی چیز اپنی ہی وجہ خود بن جائے؛ کیونکہ اس صورت میں اسے اپنے آپ سے پہلے ہونا پڑے گا، جو ناممکن ہے۔ اور اسباب کے سلسلے کو لامحدود آگے بڑھایا نہیں جاسکتا... اس لیے یہ ماننا ضروری ہے کہ کوئی پہلی وجہ موجود ہے، جسے سب لوگ خدا کہتے ہیں۔

پھر اس زمانے کے مشہور Stephen Hawking (Physicist, Atheist) کہتے ہیں:

The laws of science do not distinguish between the past and the future. However, common sense tells us that cause comes before effect.[1]

مفہوماً ترجمہ: اگرچہ سائنس کے قوانین وقت کے لحاظ سے یکساں ہیں، لیکن ہماری عقل ہمیں یہی بتاتی ہے کہ ہر مسبب (effect) سے پہلے کوئی سبب (cause) ہوتا ہے۔ یعنی سبب اور نتیجہ کا اصول بدیہی طور پر تسلیم شدہ ہے۔

یہ چند ایک حوالے بتاتے ہیں کہ انسانی عقل کی معراج بھی اسی بات کو ثابت کرتی ہے کہ ہر فعل کا کوئی فاعل ہوتا ہے تو اس کائنات کا بھی کوئی بنانے والا ہونا چاہیے تو اب رہا یہ سوال کہ:

یہ کائنات خود ایک عظیم اثر (Effect) ہے، تو اس کا سبب (Cause) کون ہے؟

قرآن کریم بار بار انسان کو دعوتِ فکر دیتا ہے کہ وہ کائنات میں غور کرے تا کہ مسبب الاسباب کو پہچان سکے۔ اور یہ قرآن کریم کا ہی خاصہ ہے کہ وہ انسانی عقل کو دعوت دیتا ہے کہ وہ اس گتھی کو سلجھائے اور یہی ایک پیمانہ ہے جس سے کوئی بھی ذی شعور، خالق کے ہونے کا امکان کو تسلیم کر سکتا ہے۔ چنانچہ اسی عقل سے مخاطب ہو کر خدا فرماتا ہے:

اَفِی اللّٰہِ شَکٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ۔ (ابراہیم: 11)

کیا اللہ میں کوئی شک ہے؟ جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔

---

[1] A Brief History of Time (1988)

اب دیکھیں کیسا لطیف نکتہ ہے کہ اللہ کی ذات کا ہونا آسمانوں زمین کی پیدائش سے لازم وملزوم کر دیا ہے، کیونکہ کم از کم ابھی تک انسان تو ان کے بنانے پر قادر نہیں ہوا اور اگر انسان نے یہ نہیں بنائے تو پھر لازمی بات یہ ماننی پڑے گی کہ کوئی اور ہستی ہونی چاہیۓ جو انسان سے زیادہ طاقتور اور ذہین ہو تب ہی ان چیزوں کا ظہور ممکن ہے، سو یہ آیت اس فطری اصول کی طرف توجہ دلاتی ہے کہ تخلیق، ہمیشہ کسی خالق کی دلیل ہے لیکن یہ ایک ایسا پیچیدہ مضمون نہیں جس کی گہرائی کسی مفکر اور دانشور کے سوا کوئی جان نہیں سکتا بلکہ ایک سادہ اور ناخواندہ انسان بھی محض عقل کا استعمال کر کے ضرورت خالق کا ادراک رکھتا ہے۔

چنانچہ حضرت مصلح موعودؓ اسی دلیل کی بابت فرماتے ہیں:

"چوتھی دلیل ہستی باری تعالیٰ کے متعلق سبب اور مسبب کی ہے جو عام طور پر استعمال کی جاتی ہے اور جسے ایک ان پڑھ آدمی بھی سمجھ سکتا ہے اس لئے بہت کارآمد ہے۔ کہتے ہیں کسی فلاسفر کو کوئی ان پڑھ زمیندار مل گیا وہ بدوی تھا فلاسفر نے اس سے پوچھا کہ کیا تم خدا کو مانتے ہو؟ اس نے کہا ہاں مانتا ہوں۔ فلاسفر نے کہا خدا کے ہونے کی تمہارے پاس کیا دلیل ہے؟ اس نے کہا اَلْبَعْرَۃُ تَدُلُّ عَلَی الْبَعِیرِ وَاٰثَارُ الْأَقْدَامِ عَلَی السَّفِیرِ وَالسَّمَاءُ ذَاتُ الْبُرُوجِ وَالْأَرْضُ ذَاتُ الْفِجَاجِ کَیْفَ لَا تَدُلُّ عَلَی اللَّطِیفِ الْخَبِیرِ۔ جب جنگل میں مینگنی کو دیکھ کر اونٹ کا پتہ لگایا جاتا ہے اور پاؤں کے نشانات سے چلنے والے کا تو یہ ستاروں والا آسمان اور یہ زمین جس میں راستے بنے ہوئے ہیں ان کو دیکھ کر کیوں نہ سمجھوں کہ خدا ہے؟ یہ دلیل جو ایک بدوی نے دی پہلے لوگوں کی عقل یہاں تک ہی پہنچی ہے۔ دنیا ایک بڑا مقام ہے جس کو پیدا کرنے والا کوئی ہونا چاہیۓ۔ یہ خیال ان کے لئے کافی تھا۔ یہ دلیل گو ہے تو صحیح مگر اس پر اعتراض بھی بہت سے پڑتے ہیں۔ لیکن چونکہ عام دلیل ہے اور حقیقتاً صحیح ہے اس لئے قرآن کریم نے بھی اس دلیل کو لیا ہے۔ جیسا کہ آتا ہے اَفِی اللّٰہِ شَکٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ (ابراہیم: 11) اے لوگو! کیا تمہیں اس خدا میں شک ہے جس نے آسمانوں اور اس زمین کو پیدا کیا ہے؟" (ہستی باری تعالیٰ، صفحہ 41، 42)

سائنسی مظاہر میں خدا کی جھلک:

آگے چلیں تو ہم اس طرح پر بھی دلیل علت و معلول پر سوچ سکتے ہیں کہ سائنسی مظاہر میں خدا کی جھلک نظر آتی ہے۔ جب ہم ایک کرسی کو دیکھ کر اس کے صانع کا اقرار بلا ارادہ کرتے ہیں۔ لیکن جب ہم اپنے اندر غور کرتے ہیں تو DNA کا پیچیدہ نظام منظر آتا ہے جہاں ہر خلیے میں موجود یہ کوڈنگ ایسی ہے کہ صدیوں بلکہ ہزاروں سالوں سے یہ اپنا کام

کرتی چلی آ رہی ہے اور انسان ابھی تک صدیوں کی محنت کے بعد اسے کچھ ہی پڑھ سکا ہے۔ اب کوئی سائنسدان اس DESIGN کی نفی نہیں کر سکتا۔ اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ جہاں بھی DESIGN ہے وہاں کسی DESIGNER کا تصور انسانی ذی شعور کے لئے لازمی ہے۔ تو اس صورت حال میں کوئی بھی ذی شعور اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ اس نظام کی تخلیق بھی بلاشبہ ایک عالم الغیب والشہادہ خالق کا وجود ثابت کرتی ہے۔

پھر کائنات کی Fine-Tuning دیکھیں اور پھر اس کائنات کے ایک چھوٹے سے ذرہ یعنی ہماری زمین کی ہی تخلیق دیکھ لیں تو انسان کی عقل اسے کسی حادثہ کا شکار مان نہیں سکتی کیونکہ کسی چیز کے اتفاق کا تعلق ایک یا دو چیزوں سے ہو سکتا ہے مگر ہماری زمین کی بقا سینکڑوں سے بھی زائد محرکات کی محتاج ہے اور ان میں سے کوئی ایک بھی رہ جائے یا اس میں کوئی کمی آجائے زمین کا اس حالت میں قیام ناممکن ہو جائے گا، یہ بات بتاتی ہے کہ کسی علت یعنی خدا کے بغیر معلول یعنی یہ کرہ ارض وقوع میں ہی نہیں آسکتا۔ لہٰذا فزکس کے اصول ایک شعوری ارادے کی طرف رہنمائی کرتے ہیں جو خدا کے علاوہ ممکن نہیں۔

پھر ایک اور چیز ہے جو عقل کو ورطہ حیرت میں ڈال دیتی ہے اور وہ ہے Entropy۔ جس کا مطلب ہے کہ کائنات کی ہر چیز اور اس کا نظام خود بخود بے ترتیبی کی طرف جاتا ہے۔ مگر باوجود اس قانون کے کائنات کا منظم آغاز کسی منتظم کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ کیونکہ بغیر کسی مداخلت کے کبھی بے ترتیب شے ترتیب میں آ نہیں سکتی، اس کا ترتیب میں ہونا وراء الوراء ہستی کے بغیر ممکن نہیں۔

حضرت اقدس مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:

”اللہ جو جامع صفاتِ کاملہ اور مستحق عبادت ہے اس کا وجود بدیہی الثبوت ہے کیونکہ وہ حیّ بالذات اور قائم بالذات ہے بجز اس کے کوئی چیز اور حیّ بالذات قائم بالذات نہیں یعنی اس کے بغیر کسی چیز میں یہ صفت پائی نہیں جاتی کہ بغیر کسی علتِ موجدہ کے آپ ہی موجود اور قائم رہ سکے یا کہ اس عالم کی جو کمال حکمت اور ترتیب محکم اور موزون سے بنایا گیا ہے علتِ موجبہ ہو سکے اور یہ امر اس صانع عالم جامع صفاتِ کاملہ کی ہستی کو ثابت کرنے والا ہے۔“

(براہین احمدیہ، روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 514)

پس یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ کائنات ایک عظیم اثر ہے، اور اس کا سب سے عظیم سبب صرف ایک ہے اللہ، جو مسبب الاسباب ہے۔ یہی وہ نکتہ ہے جو ہر سچے دل کو جھنجھوڑ کر خدا کی تلاش کی طرف لے جاتا ہے۔

ردّدہریت:

قسط سوم

زمین پر زندگی کی ابتداءاور خدا کا "ہاتھ"

(وسیمہ اُپل صاحبہ (آسٹریلیا) بنت پروفیسر چوہدری رحمت علی مسلم صاحب (مرحوم))

کرۂ زمین پر زندگی کا موجود ہونا خدا تعالیٰ کی ہستی کا ایک ایسا ناقابل تردید ثبوت ہے جو ہر غور اور فکر کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کی ہستی کی طرف لے جاسکتا ہے۔ بد قسمتی سے دہریت کے حامی اس نہایت خوبصورت دلیل ہستی باری تعالیٰ کو ایک اندھے ارتقاء کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ ایک ایسا اتفاق ہے جو کائنات کی بے ترتیبی اور اندھا دھند پھیلاؤ کے نتیجہ میں ظہور میں آیا۔ زیر نظر مضمون ایسی ہی سوچ کا ایک محققانہ جواب ہے جس میں بالتفصیل اس نظریہ کی نفی کی گئی ہے۔ گزشتہ اقساط میں ہم نے دیکھا تھا کہ کیسے خوبصورت اور منظم طریق سے ہماری زمین پر زندگی کا آغاز کرنے کے لئے کائنات میں تیاریاں ہوئیں۔ پھر کس طرح سمندر میں اور خشکی میں زندگی کا آغاز ہونا شروع ہوا۔ اس قسط میں ہم اس حصّہ کی کچھ مزید تفصیل ملاحظہ کریں گے۔

پروٹین کا بننا ایک معمہ

زندگی کی اکائی یعنی cell کے structure میں پروٹین سب سے اہم ہیں ان کی لا تعداد اقسام ہیں۔ لفظ

proteinیونانی لفظ "proteios" سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں "first place" ۔ایک cellمیں وزن کے لحاظ سے 50 فیصد پروٹین ہوتی ہیں جن کی مختلف اقسام ہیں اور cellکے اندر موجود تمام مشینری انہی پروٹینز سے چل رہی ہوتی ہے۔اسی طرح یہ پروٹینزcellکاstructure بھی بناتی ہیں۔اس کے علاوہ اور بھی بہت سے کام proteinsہی کر رہی ہوتی ہیں۔مثلاً ہمارے اعصاب،muscles۔spiders، جالے کے silk fibersکے fibers۔ہمارے بال، پرندوں کے پر، جانوروں کے سینگ، ہڈیوں کو پکڑ کر رکھنے والےligaments، یہ سب پروٹین کے ہی کرشمے ہیں۔سبھی جانوروں میں کئی قسم کے پروٹین جو ہم کھاتے ہیں انڈوں کی سفیدی، دودھ کی پروٹین، پودوں کے بہت سے بیج میں پروٹین جو growthکے لئے جاندار کھاتے ہیں۔

Proteinsاور بھی کاموں کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ ہمارے جسم کے اندر خون کا سرخ رنگ پروٹین haemoglobinکی وجہ سے ہے جو آکسیجن پہنچانے کا کام کر رہا ہے۔ ہر cellمیں molecules کو پہنچانے کے لئے membraneپر protein channelsہیں۔پھر بہت سی دیگر اہم proteins بھی ہیں جن سے ہم واقف ہیں مثلاً insulin، جو cellمیں glucose کو پہنچاتی ہے اور اس کے levelکو خون میں normalرکھنے کا کام کرتی ہے۔ یہ سبھی vertebrates (back bone والے جانور) میں یہ کام کر رہی ہے۔Nerves کو صحیح کام کروانے والیproteins بھی ہیں۔اسی طرح ہمارے اعصاب(muscles) کو کام کروانے والیproteins بھی جانداروں کے لئے بہت اہم ہیں۔

جب cells بنے تو ایسی proteins بھی بنیں جو کئی cellsکی surfaceپر تھیں(جیسا کہ flagella, cilia وغیرہ) اور انہیں moveکرواتی تھیں۔ یہاں تک کہ وہ ارتقا کے بلند ترین levelکے جانوروں بشمول انسانوں کے کچھ cellsتک موجود رہیں تا کہ اس کی movementمیں مدد کر سکیں۔ ہمیں بیماریوں سے محفوظ رکھنے کے لئے جو مدافعت کا نظام ہے وہ مختلف قسم کی proteins(antibodies) کرتی ہیں اور bacteriaاور viruses کے حملے سے ہمیں بچاتی ہیں۔ اس طرح تمام جانداروں کے جسم میں کھانا ہضم کرنے کے لئے (for digestion) بے شمار proteinsکام کر رہی ہیں جن کو enzymesکہتے ہی۔ ہر cellsمیں تمام قسم کا break downاور تمام synthesisیعنی metabolism بھی، ہزارہاproteins ہی کر رہی ہیں۔زندگی کا آغاز proteinsکے بننے سے ہوا۔ جس میں یقیناً ایک خالق کا ہی ہاتھ تھا۔

پروٹین کی ساخت

ایک پروٹین کا molecule، جو بہت سے مختلف amino acids کے جڑنے سے بنتا ہے polypeptide کہلاتا ہے۔ اس کی nature اسی بات پر منحصر ہے کہ اس میں خاص amino acids ہوتے ہیں۔ ان کا definite number اور specific arrangement ہوتی ہے۔ یہاں جس protein کا structure دکھایا گیا ہے وہ lysozyme ہے۔ اس میں 129 amino acids ہیں۔

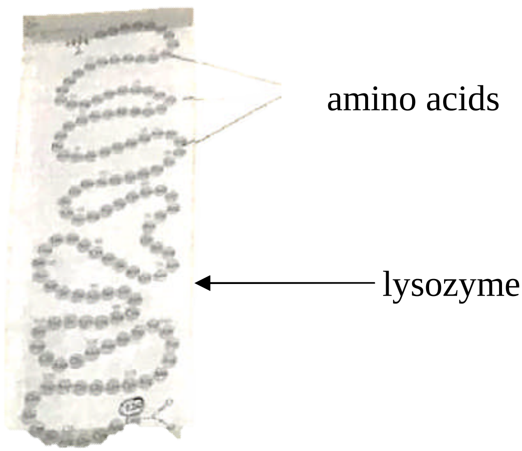

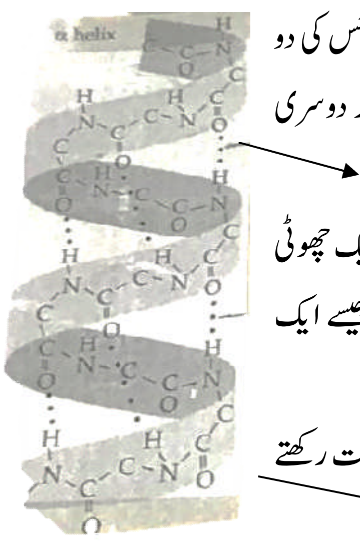

ایک اور پروٹین جس سے اکثر لوگ واقف ہیں وہ insulin ہے جس کی دو polypeptides ہیں۔ ایک میں 21 (اکیس) amino acid ہیں اور دوسری میں 30 (تیس) amino acids ہیں۔ دونوں میں مجموعی طور پر 51 amino acids ہوتے ہیں اور یہ ایک چھوٹی پروٹین ہے۔ ہر polypeptide پھر coil کر کے α helix بناتی ہے۔ جیسے ایک Hydrogen bond spring ہوتا ہے یعنی ایک spiral coil۔ hydrogen bonds اس پروٹین کی شکل کو مناسب اور درست رکھتے ہیں۔ یہ proteins کا secondary structure ہے۔

ایک اور amazing protein کی مثال مکڑی (spider) کا جالا ہے جسے بنا کر spider دکھاتی ہے کہ protein کا قدرتی طور پر structure کیسے بنتا ہو گا۔ یہ دھاگہ انتہائی مضبوط اور طاقت ور ہے اور مکڑے کے پیٹ کے غدود (glands) اس پروٹین کو پیدا کرتے ہیں اور مکڑی چل چل کر اس کو بنتی ہے اور قدرت کا حسین شاہکار بنا کر دکھاتی ہے کہ protein کیسے خوبصورتی سے spiral بناتی ہے اور پھر یہ spiral بھی خود کو fold کرتا ہے تب ہی یہ protein اپنا کام کر سکتی ہے۔

پروٹین صرف spiral یعنی alpha(α) helix ہی نہیں بناتی بلکہ خاص طریقے سے fold بھی ہو جاتی ہیں اور یہ تمام ساخت بہت precise ہوتی ہے اور سب کچھ اس بات پر منحصر ہوتا ہے کہ سب سے پہلے کون کون سے amino acids کس ترتیب سے جڑے تھے۔ یہ سب شروع میں بہت ہی planning سے ہو رہا تھا۔ ہر amino acids اپنی مخصوص جگہ پر ہی لگتا تھا اور قدرت کا ہاتھ ہی یہ سب کر رہا تھا۔ آج بھی ہر living organism کے cells میں ایسے ہی بڑے صحیح طریقے سے صحیح جگہ پر amino acids فٹ ہوتے ہیں۔ اگر ایک point پر بھی خرابی (mutation) ہو جائے تو بڑے خطرناک نتائج سامنے آتے ہیں۔ مثلاً انسانی جسم میں سرخ خلیوں (RBC^s) میں پروٹین haemoglobin جس کی چار polypeptide chains ہیں دو alpha اور دو beta ہر alpha میں amino acids کا نمبر 141 ہے اور ہر beta chain میں 146۔ اس طرح مجموعی طور پر 574amino acids یہ نارمل (natural) تناسب ہے جو کہ قدرت نے بنا کر دیا ہے اور اسی طرح یہ اپنی درست شکل بناتا ہے اور سرخ خلیوں کی شکل بھی normal (Biconcave oval) رہتی ہے اوراس طرح haemoglobin اپنا کام کر سکتا ہے چنانچہ یہ پھر سارے جسم کو آکسیجن پہنچاتا ہے۔ اگر ایک معمولی خرابی (mutation) ہو جائے اور haemoglobin کا primary structure صرف ایک پوائنٹ پر beta chain میں نمبر 6 amino acid glutamic acid کی بجائے valine لگنے سے affect ہو جائے تو haemoglobin پروٹینز کی شکل ہی بگڑ جاتی ہے اور سرخ خلیوں کی شکل بھی deformed ہو جاتی ہے۔ نتیجۃً وہ آکسیجن کو پکڑ کر cells میں نہیں پہنچا سکتے۔ ایسے سرخ خلیوں کو sickle کہتے ہیں اور بیماری کو sickle cell anemia کہتے ہیں۔

اس ایک مثال سے یہ بتانا مقصود ہے کہ ہر پروٹین کے بننے کے لئے بہت ہی زیادہ precision اور accuracy کام کر رہی تھی، خاص طور پر اس وقت جس وقت life کی ابتداء ہو رہی تھی سائنس دان آج بھی ششدر ہیں کہ یہ سب کیسے ہوا؟ جو بھی ایک عظیم ذات کو خالق مانتا ہے وہ جانتا ہے کہ زندگی بنانے کے لئے ہر ہر قدم پر (for every

step) اسی کا ہاتھ کام کر رہا تھا۔ اسی نے درست amino acids کو یہ حکم دے رکھا تھا کہ کون کون سے، کتنے اور کس ترتیب سے ایک دوسرے سے جڑیں تا کہ درست پروٹین بن سکے اور اپنا کام سرانجام دے۔ آج سبھی cells میں پروٹین بنانے کے لئے DNA اور RNA کا ہونا ضروری ہے وہی یہ پیغام دیتے ہیں کہ کون کون سے amino acids جڑ کر پروٹین بنائیں گے۔

Viruses کی اہمیت

قدرت کے عجائبات میں سے viruses ایک بہت اہم عجوبہ ہیں جو non living اور living کے درمیان ایک link ہے۔ انیسویں صدی کے آخر میں تمباکو کے پتوں کی بیماری (TMV) کی وجہ ایک روسی علم نباتات کے ماہر (Botanist) Dmitry Ivanosky نے معلوم کی اور کہا کہ شاید کسی "زہر" کی وجہ سے اس بیماری کا infection ہوتا ہے کیونکہ یہ عام بیکٹیریا سے الگ کوئی اور ہی چیز تھی۔ بعد میں اس کی اس Discovery کو virus کے نام سے جانا جانے لگا اور پتہ چلا کہ انسانوں اور جانوروں میں بہت سی جان لیوا بیماریوں کی وجہ یہی viruse ہی تھے۔ مثلاً فلو، پولیو، chicken pox, measles, hepatitis, common cold, HIV اور سب سے خطرناک covid-19۔

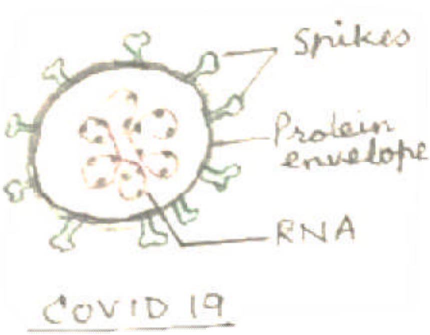

بہت سے خطرناک viruses جانوروں میں آرام سے رہتے ہیں مگر ان کو اصل host سے ہٹا دو تو دوسرے host میں جا کر بہت خطرناک ثابت ہوتے ہیں مثلاً HIV اور covid-19۔

Viruses کا سائز بہت ہی چھوٹا ہوتا ہے انہیں صرف electron microscope کے ذریعے ہی دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ ایک micro meter(µm) سے بھی چھوٹے ہیں۔ ایک µm ایک میٹر کا دس لاکھواں حصہ (1×10^{-6}) ہوتا ہے۔ اپنی ساخت میں viruses بہت سادہ ہوتے ہیں صرف ایک covering جو پروٹین سے بنی ہوئی ہے اور اس کے اندر RNA یا DNA ہوتا ہے۔ کچھ viruses کی covering پر اور قسم کی proteins(glycoproteins) بھی ہوتی ہیں جو spikes کی مانند ہونے کی وجہ سے ان کو corona کہتے ہیں مثلاً covid-19۔

اگرچہ بہت سے viruses بے شمار بیماریاں پھیلاتے انسانوں، جانوروں اور پودوں میں یہاں تک کہ کچھ کینسر بھی انہی سے پیدا ہوتے ہیں لیکن ان بیماریوں کا علاج بھی ممکن ہے۔ چنانچہ انہی viruses کو inactive کر کے ان سے پیدا

ہونے والی بیماریوں کی vaccines بنائی جاتی ہیں۔ لیکن ابھی اس مضمون میں ہم صرف ان viruses کے بارے میں معلوم کریں گے جنھوں نے ارتقا کے عمل میں اہم کردار ادا کیا خاص طور پر Retrovirus (جن میں RNA ہے) کیونکہ یہ host cell میں جاتے ہیں اور اس کا DNA لے کر باہر نکل آتے اور اس طرح Gene transfer کرتے اور genetic diversity کا موجب بنتے ہیں۔

اس کے علاوہ دوسرے micro organism بھی ارتقا کے عمل کے ذمہ دار ہیں اور اس طرح natural selection سے evolue ہوسکتے ہیں مثلاً عصر حاضر میں covid-19 ہے جس کی اب تک بہت سی قسمیں بن چکی ہیں۔

Evolution کے ماہرین کا یہ بھی خیال ہے کہ زندگی شروع کرنے میں جن viruses نے کام کیا ہو گا وہ Retroviruses ہی ہوں گے کیونکہ یہ extreme حالات میں رہ سکتے ہوں گے۔ اور ممکن ہے یہ کائنات میں پائے جاتے تھے اور intersteller radition کو برداشت کر سکتے تھے جس طرح Archaea بیکٹیریا۔ NASA کی ایک حالیہ رپورٹ (14/4/2025) کے مطابق جب خلاباز space میں جاتے ہیں تو خطرہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے ساتھ viruses بھی لے آتے ہیں اسی لئے واپس آکر ان کی صحت ٹھیک نہیں ہوتی۔ یہی وہ نظریہ ہے جسے Panspermia کہتے ہیں جس کا مطلب ہے کہ دوسرے planets پر بھی life ہے جیسے کہ microbs(viruses اور bacteria) اور وہاں سے یہ زندگی اس دنیا پر آتی رہتی ہے اور ماضی میں بھی ایسا ہوتا رہا ہو گا۔ Dale Warren Griffin اپنے مضمون The Quest For Extra terrestrial Life: What about Viruses? میں، جو معروف رسالہ Astrobiology کی جلد 13 کے شمارہ نمبر 8 میں شائع ہوا، یہی نظریہ بیان کرتے ہیں کہ viruses نے زمین پر زندگی شروع کرنے میں مدد کی ہو گی۔ سائنس دانوں نے اس طرف کم ہی توجہ دی کیونکہ وہ viruses کو "مردہ" (non living) سمجھتے رہے اور inactive بھی۔ لیکن اب viruses پر بہت تحقیق ہو رہی ہے۔ خاص طور پر covid-19 نے 2019ء میں دنیا میں تہلکہ برپا کر کے دنیا کو اپنی اہمیت کا احساس دلا دیا ہے۔

پس زندگی کے ارتقا کے عمل کو سمجھنے کی کوشش کریں تو یہ بات سمجھ آتی ہے کہ شروع میں زندگی بنانے میں viruses کا role رہا ہو گا۔ مثلاً RNA سے DNA بنانے میں پھر اس کے بعد bacteria بنے اور دوسرے cells یعنی Eukaryotes اور پھر انہی سے سب multicellular زندگی بنی ہو گی۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ RNA جو وائرس کے شروع میں بنا ہو گا وہ خود بخود ہی replicate کرتا ہے کیونکہ اس کے پاس ایک ایسا enzyme ہوتا ہے (reverse transcriptase) جو RNA سے DNA بناتا ہے اور یہی DNA پھر اس host cell کے nucleus میں جا کر

cell کی مشینری سے بہت viruses بنواتا ہے اور host cell کو damage کرنے کے بعد بہت سے viruses نکلتے ہیں اور پھر اپنی ذات میں تبدیل ہو کر مزید cells میں بھی infections کرتے ہیں۔ یہی HIV نے کیا تھا اور covid-19 نے بھی یہی کیا۔

Prof. Jhon کے MRC Lab. Of Molecular Biology Camb. University Sutherland نے proteins پر بہت کام کیا ہے اور یہ بھی تحقیق کی کہ RNA کا origin کیسے ہوا ہو گا۔ اس نے 22 دسمبر 2021ء کے ایک article میں لکھا کہ covid-19 نے ہمیں سوچنے کا بہت موقع دیا ہے اور بتایا کہ RNA کتنا اہم ہے۔ اسی virus نے ہمیں یہ بھی بتایا کہ ماضی میں زندگی کی ابتداء کے وقت کیا ہوتا رہا ہو گا۔ نہ صرف یہ کہ علم کی جستجو بڑی اہم ہے بلکہ یہ سوال بھی بہت اہمیت کا حامل ہے کہ زندگی کیسے بنی ہو گی اور کیسے evolve ہوتی رہی ہو گی؟۔ پروفیسر John Sutherland نے جو بات کہی ہے اس کی طرف قرآن نشاندہی کر رہا ہے جس کے لئے آیات موجود ہیں اور ان کا ذکر کیا جا چکا ہے۔

اب ہم اسی حقیقت سے واقفیت حاصل کریں گے کہ زندگی کی ابتداء کہاں اور کیسے ہوئی اور کون سے عوامل اس میں مددگار ہوئے؟ RNA chemistry اور DNA chemistry کا آپس میں کیا تعلق ہے؟ DNA کی information کی کیا اہمیت ہے؟ کیونکہ DNA اپنی information کو RNA بنا کر منتقل کرتا ہے COVID کے behaviour کو غور سے دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ کس طرح RNA سے DNA بنتا ہے۔ RNA اس کے علاوہ پروٹین بھی بناتا ہے۔ اور RNA کا molecule جب protein کے cover میں بند ہوا ہو گا تو وہ سب سے simple virus (retrovirus) بنے ہوں گے۔ جب RNA نے DNA بنائے اور اس کے گرد پروٹین کا envelope ہوا تو وہ بھی virus بن گئے۔ البتہ cells کے بننے کا عمل زیادہ مشکل ہے لیکن اس میں بھی RNA کا ہی بنیادی role رہا ہو گا۔

RNA ایک اہم کیمیکل

جس طرح پروٹین ایک polypeptide ہے اور بہت سے amino acids کے جڑنے سے بنتا ہے اور ایک خوبصورت symmetry اپنے اندر رکھتا ہے اسی طرح RNA (Ribonucleic acid) ایک polynucleotide ہے یعنی بہت سے nucleotides کے جڑنے سے بنتا ہے۔ ہماری پروٹین کو بنانے والے amino acids بیس (20) اقسام کے ہیں لیکن RNA کے nucleotides صرف چار قسم کے ہیں جن کو ہم A,G,C,U لکھ سکتے ہیں جو ان کی bases کے ناموں کا پہلا لیٹر ہے (مثلاً A=Adenine ہے)

ان چار bases سے بنے nucleotides کی بڑی درست specific ترتیب ہے اور ایک لمبا strand بنتا ہے اور اس طرح بہت سے RNA بن جاتے ہیں۔ پھر وہ linear strand اپنی ایک شکل بناتا ہے fold ہونے کے بعد اور bases کی definite parring ہوتی ہے A کے سامنے U اور C کے سامنے G۔ اس طرح RNA اپنی precise confirmation بنالیتا ہے جیسے کہ figure میں دکھایا گیا ہے۔ چنانچہ یہ شکل اس پر منحصر ہے کہ nucleotides کی ترتیب (order) کیا ہے۔

RNA ایک بہت ہی اہم molecule ہے۔ اس پر وہ معلومات یا پیغام ہے جو زندگی بننے کے شروع یعنی ابتدا سے اس پر موجود تھا اور یہ ترتیب بڑی صحیح ہونے کی وجہ یہی تھی کہ ان RNA کو بنانے والی کوئی بڑی ہی intelligent ہستی تھی۔ اگر nucleotids خود بخود جڑے ہوتے یعنی بے ترتیب (haphazard) تو پیغام یعنی genetic codes کا ستیاناس ہو جاتا اور کوئی life نہ بنتی۔

RNA Conformation

RNA بننے کے لئے کون سے موزوں حالات تھے جنہوں نے اس کی ترتیب کو مدد کی ہو گی یہ بعد میں discuss کیا جائے گا۔ لیکن سائنس دان یہ خیال ضرور کرتے ہیں کہ RNA ہی وہ سب سے پہلا molecule تھا جس پر information موجود تھی۔ اور اسی کی وجہ سے protein بھی بنی اور اسی نے DNA کے بننے میں بھی مدد دی اس حقیقت کا انکشاف کچھ viruses کرتے ہیں۔ Biologists بھی یہی کہتے ہیں کہ RNA چونکہ اپنے structure میں simple ہے اور سائز میں چھوٹا ہے نیز کام کرنے کے لحاظ سے بھی بہت active ہے اس لئے پہلے RNA ہی بنا ہو گا پھر اس میں evolution ہوئی اور اس نے سب سے چھوٹا جاندار (جسے virus یا poison particle کہتے ہیں) بنایا مثلاً فلو کا virus، HIV اور سب سے خطرناک SARS-CoV-2 جس نے 2020ء اور 2021ء میں active ہو کر دنیا بھر میں وہ خطرناک وبا پھیلائی جسے COVID-19 کا نام دیا گیا۔ viruses اور bacteria کا ذکر بعد میں کیا جائے گا خاص طور پر وہ bacteria (Archaea) جو extreme حالات میں بنے اور extreme situations میں رہتے ہیں اور انہوں نے زندگی بنانے کے شروع کے process میں مدد دی۔

پس RNA وہ اہم اور بنیادی molecule ہے جس نے اول تخلیق زندگی میں (زندگی کو بنانے میں) اہم کردار ادا کیا اور آج بھی اس کی تین اقسام r-RNA، t-RNA، اور m-RNA ہر cell میں proteins بنانے کا کام سرانجام

دے رہی ہیں۔

RNAکا ایک اور اہم کام اور خاصیت یہ ہے کہ اس میں catalytic property ہے۔ ان کو ribozymeکہتے ہیں اور یہ enzymesکی طرح کام کرتے ہیں یعنی کیمیائی عمل کو تیز کرتے ہیں اور آج بھی cellمیں r-RNA،t-RNA ، اور m-RNAبناتے ہیں۔ یہی کام RNAنے شروع میں کیا ہو گا مگر خاص حالات میں اور مزید RNA بنائے ہوں گے خاص طور پر چکنی مٹی کی سطح (surface) پر اور shallow poolsمیں جہاں lifeبننے کا processہو رہا تھا۔ بعض سائنس دانوں کا خیال ہے سمندر کی تہہ میں hydrothermal ventsمیں بھی RNAنے یہی کام کیا ہو گا کیونکہ وہاں lifeبننی شروع ہو رہی تھی۔ آج بھی اگر RNAکو ٹیسٹ ٹیوب میں ڈالیں اور RNA nucleotidesبھی شامل کر دیں تو RNAخود بخود بغیر کسی enzymeکے replicate کرتا ہے۔ اور اگر اس میں Zinc بھی ڈال دیں تو یہ عمل اور بھی تیز ہو جاتا ہے اس کے علاوہ RNAمیں یہ بھی خاصیت ہے کہ یہ proteins بھی بناتا ہے اور amino acidsکے ساتھ جڑ بھی جاتا(weakly binds) اس طرح polypeptideبھی بن سکتا ہے۔ لیکن cells میں DNA کے بغیر protein نہیں بن سکتی۔ اس لئے ممکن ہے کہ RNA نے اپنی informationکو DNA کے لئے منتقل کیا ہو۔ اس کو سمجھنے کے لئے DNAکا structure سمجھنا ضروری ہے۔ جس کی کچھ تفصیل ہم انشاءاللہ آئندہ شمارہ میں قارئین کے سامنے رکھیں گے۔

(جاری ہے)

حَدَّثَنَا الْعَبَّاسُ بْنُ الْفَضْلِ الْأَسْفَاطِيُّ، ثنا ثَابِتُ بْنُ عَبَّاسٍ أَبُو بَكْرٍ الْأَحْدَبُ، ثنا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، إِنِّي لَأُحِبُّكَ حَتّٰى إِنِّيْ لَأَذْكُرُكَ، فَلَوْلَا أَنِّيْ أَجِيْءُ فَأَنْظُرُ إِلَيْكَ ظَنَنْتُ أَنَّ نَفْسِيْ تَخْرُجُ، فَأَذْكُرُ أَنِّيْ إِنْ دَخَلْتُ الْجَنَّةَ صِرْتُ دُوْنَكَ فِي الْمَنْزِلَةِ فَشَقَّ ذٰلِكَ عَلَيَّ، وَأُحِبُّ أَنْ أَكُوْنَ مَعَكَ فِي الدَّرَجَةِ، "فَلَمْ يَرُدَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَأُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ (النساء: 70) الْاٰيَةَ، فَدَعَاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَتَلَاهَا عَلَيْهِ "

(المعجم الکبیر، للطبرانی، جزء الثانی عشر، صفحہ 68 دار احیاء التراث العربی، حدیث: 12559)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے مروی ہے ایک آدمی رسول اکرم ﷺ کی بارگاہ میں آیا اس نے عرض کی یارسول اللہ! میں آپ سے محبت کرتا ہوں، مجھے آپ کی بہت یاد آتی ہے، اگر میں آپ کے پاس آکر آپ کا دیدار نہ کروں تو مجھے یوں لگتا ہے کہ میری روح نکل جائے گی، مجھے یہ خیال آتا ہے کہ اگر میں جنت میں داخل ہو گیا تو میں آپ ﷺ کے مقام سے بہت نیچے ہوں گا۔ یہ سوچ کر مجھے بہت تکلیف ہوتی ہے میں یہ چاہتا ہوں کہ میں درجہ میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ رہوں، رسول اکرم ﷺ نے کسی چیز کا جواب نہ دیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَأُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ (النساء: 70) تو رسول اکرم ﷺ نے اس کو بلا کر یہ آیت تلاوت کی۔

Monthly

MUWĀZNA-E-MADHĀHIB

ISSN: 20491131 Editor: Mahfooz ur Rehman

NOVEMBER 2025 | NUBUWAT 1404(HS)| JAMADA-UL-ULA 1447(HQ)| VOL.14 NO.11

اگر ہر بال ہو جائے سخن ور
تو پھر بھی شکر ہے امکاں سے باہر

امام جماعت احمدیہ عالمگیر حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے رسالہ "موازنہ مذاہب" کا ذکر کرتے ہوئے بیان فرمایا:

"ایک (نیا) رسالہ جاری کیا گیا......... تھا۔ یہ ماہانہ رسالہ ہے "موازنہ مذاہب" جو یہاں یوکے سے چھپتا ہے اور اس میں بڑے اچھے علمی اور تحقیقی مضامین ہوتے ہیں۔ لوگوں کو بڑے پسند آرہے ہیں، اس کی ضرورت تھی اور گو اس وقت اس کی تعداد کم ہے لیکن اس کے بارے میں میں کہنا چاہتا ہوں جو لوگ اردو پڑھنا جانتے ہیں اُن کو اس رسالہ کا خریدار بننا چاہیئے۔ اس میں کافی اچھے مضامین ہیں بلکہ بعض مضامین کے ترجمے کر کے ریویو آف ریلیجنز میں بھی شائع کئے جارہے ہیں۔"

(دوسرے دن کا خطاب، جلسہ سالانہ یوکے 2012ء بحوالہ الفضل انٹرنیشنل مؤرخہ 9 اگست 2013، صفحہ 2)

Publishers: Additional Wakalat Tasneef
Unit 3, Bourne Mill Business Park,
Guildford Road, Farnham, GU9 9PS, UK
Email: office@tasneef.co.uk
https://www.alislam.org/periodical/muwazna-e-madhahib